www.kitabmart.in

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ

قرآن کے بین الاقوامی ارشادات

— ازقلم —

سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی مجتہد العصر دام ظلہ

www.kitabmart.in

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تمہید

جس طرح "رواداری" کا مفہوم سمجھنے اور اس کے برتنے میں۔ غلط اندیشی اور غلط کاری کے نمونے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، ویسے ہی "بین الاقوامیت" کا صحیح مفہوم بہت سے افراد کے ذہن سے اوجھل ہے۔ اسلیئے کچھ لوگ اُسے اپنائے ہوئے غلط طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اور بہت سے ناسمجھی کی بنا پر اس سے وحشت کرتے ہیں بلکہ ایک طبقہ نے تو اس سے چڑھنا شروع کر دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ "بین الاقوامیت" کے معنی سب کی ہاں میں ہاں ملانے اور دوسروں کی خاطر باطل کی تائید اور حق کے انکار کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں اُن مفادات کو سامنے رکھ کر جو بلاتفریق اقوام و ملل تمام نوعِ انسانی کی بہبودی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن آفاقی حقیقتوں پر زور دینا جن کا زیادہ سے زیادہ روشن ہونا تمام اقوام میں باہمی یکجہتی کا ذریعہ ہے اور خیر سگالی عام کو پیش نظر رکھ کر عقلِ عمومی کے اُن مضمرات کو ابھار کر سامنے لانا جن سے قوموں کی باہمی منافرت دور ہو اور ان میں اتحادِ انسانی اور امنِ عالم کے تحفظ کا احساس پیدا ہو۔

جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں، تو اس نوع کی آیتیں جو اُن میں بکثرت نظر آتی ہیں جن میں سے کچھ بطور نمونہ مناسب تشریحات کے ساتھ اس مقالہ میں درج کی جاتی ہیں:-

www.kitabmart.in

(۱)

خالق کی رحمانیت کا عموم اور ربوبیت کی ہمہ گیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمٰن اور رحیم دونوں صفتیں رحم سے مشتق ہیں اور مبالغہ کے لئے ہیں۔ یعنی وصف کی شدت و قوت کو بتاتی ہیں مگر اسم رحمٰن جسے مقدم قرار دیا گیا ہے اُس رحمت کو بتاتا ہے جو خالق کی طرف سے بتقاضائے ربوبیت تمام کائنات سے متعلق ہے اور جس میں مومن اور کافر کی تفریق نہیں ہے۔

جیسا کہ مولوی عبدالماجد صاحب دریا بادی نے کہا ہے :۔

"پورے قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے، وہ صفتِ رحمانیت کا مظہر ہے۔"

ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اپنے تشریحات میں صفت رحمانیت کی اس ہمہ گیری کو طرح طرح کے الفاظ سے نمایاں کیا ہے چنانچہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا ارشاد ہے :۔

الرحمٰن الذی یرحم ببسط الرزق علینا

رحمٰن وہ ہے جس کی رحمت ہم پر نمایاں ہے۔ رزق کی وسعت سے جو ہم پر ہے۔

ایک روایت میں ہے :۔

العاطف علیہم بالرزق لا یقطع عنہم مواد رزقہ وان انقطعوا عن طاعتہ

وہ جو بندوں پر روزی پہونچانے کیساتھ اپنا لطف و کرم شامل کئے ہوئے ہے اسطرح کہ اُنسے اپنے رزق کے سلسلہ کو بند نہیں کرتا چاہے وہ اُسکی اطاعت سے الگ ہو جائیں۔

www.kitabmart.in

اور اسی کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس طرح ظاہر کیا ہے کہ:۔

الرحمن اسم خاص لصفۃ عامۃ	رحمٰن اللہ سے مخصوص نام ہے اس صفت کے لحاظ سے جو عام یعنی ہمہ گیر ہے۔

ان تمام روایتوں کو ملا محسن فیض نے اپنی تفسیر صافی میں یکجا کیا ہے اور فلسفی زبان میں ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:۔

رزق کل مخلوق ما بہ قوام وجودہ وکمالہ اللائق فالرحمۃ الرحمانیۃ تعم جمیع الموجودات وتشمل کل النعم	ہر مخلوق کا رزق وہ ہے جس سے اس کا وجود قائم ہے اور جو اس کے تناسب حال کمال تک اسکو پہنچا سکے تو رحمٰن کے وصف والی رحمت تمام کائنات کو شامل ہے اور تمام نعمتوں پر حاوی ہے۔

شیخ الطائفہ رح تحریر فرماتے ہیں:۔

وجہ عموم الرحمن بجمیع الخلق ھو انشاؤہ ایاھم وجعلھم احیاء قادرین وخلقہ فیھم الشھوات وتمکینھم من المشتھیات وتعریضھم بالتکلیف لعظیم الثواب (تبیان طنجف ج ۱ ص ۲۹)	رحمان کی شمولیت تمام خلق پر اس وجہ سے ہے کہ اس نے ان سب کو پیدا کیا اور انھیں جاندار صاحب ارادہ و اختیار بنایا اور انمیں خواہشیں پیدا کیں اور ان چیزوں پر جن کی خواہش ہوتی ہے قدرت عطا کی اور پھر اپنی طرف کے احکام جاری کرکے انھیں آخرت کے بڑے سے بڑے ثواب کے حاصل کرنے کا موقع دیا ہے۔

اسی کو آخر کے بعض الفاظ کی کمی مگر ہمہ گیری کے پہلو کی مزید صراحت کے ساتھ علامہ طبرسی رح نے مجمع البیان میں یوں لکھا ہے:۔

www.kitabmart.in

وجه عموم الرحمٰن بجميع الخلق مؤمنهم وكافرهم وبرهم وفاجرهم هو انشاؤه اياهم وخلقهم احياء قادرين ورزقه اياهم

رحمٰن کا حاوی ہونا تمام خلق پر خواہ مومن ہوں یا کافر نیک ہوں یا بداعمال اس وجہ سے ہے کہ اُس نے اُنھیں پیدا کیا اور اُنھیں جاندار، صاحب قدرت و اختیار بنایا اور اُنھیں روزی عطا فرمائی۔

ہمارے ہم عصر علماء میں علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے بھی اس میں بلا تفریق مذہب و ملت کے پہلو کو نمایاں کیا ہے، ان لفظوں میں کہ:۔

هو الرحمٰن يبين لعباده سبيل رحمته العامة للمؤمن والكافر مما فيه خيرهم لوجودهم وحياتهم۔

وہ رحمٰن ہے کہ اپنے بندوں کے لئے اپنی اُس رحمت کے راستے کو نمایاں کرتا ہے جو مومن اور کافر سب پر حاوی ہے جس میں اُنکے لئے بہتری ہے اُنکے وجود اور اُن کی زندگی کے لئے۔

(المیزان فی تفسیر القرآن طہران ج ا ص ۱۲)

تفاسیر اہل سنت میں سے مدارک التنزیل نسفی میں ہے:۔

جاء في الدعاء يا رحمٰن الدنيا لانه يعم المؤمن والكافر ورحيم الآخرة لانه يخص المؤمنين

دعا میں ہے کہ اے دنیا کے رحمٰن اس لئے کہ یہ رحمت مومن اور کافر سب پر حاوی ہے اور آخرت کے رحیم اسلئے کہ وہاں والی رحمت مومنین سے مخصوص ہے۔

(مدارک مطبوعہ ہند ج ا ص ۷)

www.kitabmart.in

الحمد للہ رب العٰلمین ۝

اُس ذہنیت کے مقابلہ میں جو ہر دن کا ایک خدا قرار دے رہی تھی اور اُس وقت جب ہر قبیلہ کا خدا الگ سمجھا جا رہا تھا ، اسلام یہ آواز بلند کر رہا تھا کہ وہ تو ایک عالم کا بھی پروردگار نہیں ، ہزاروں جہان ایسے ایسے ہوں تو سب کا وہی ایک پروردگار ہے۔

اس سے ایک طرف ہر طرح کے شرک کا سدّباب کیا اور دوسری طرف اتحادِ عالمی کی ایک مستحکم بنیاد قائم کی جس پر آج تک دنیا باوجود انتہائی تہذیب و تمدّن کی ترقی کے کوئی عمارت نہیں بنا سکی ہے لیکن وہ بنیاد موجود ہے اور دنیا کو ایسی عمارت کی تشکیل کی برابر دعوت دے رہی ہے اور دیتی رہے گی۔

www.kitabmart.in

۲

ہمہ گیر ایمان کا اعلان

وَالَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝

(بقرہ آیت ۴)

متقین کے اوصاف میں ہے:۔

"اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔"

قرآن کی ہدایت سے ہر مسلمان اس کا اعتقاد رکھتا ہے کہ ابتدائے دورِ کائنات سے ہر قوم اور ہر ملک میں اللہ نے ہادیانِ دین پیدا کئے ہیں اور ان کی حقانیت پر ایمان جزوِ اسلام ہے۔

بیشک اُن میں سے جن جن کے نام قرآن کریم میں آگئے ہیں، اُن کی رسالت پر با لتفصیل ایمان ہے لیکن جن کے نام نہیں آئے ہیں اور ہمارے لئے کوئی قابلِ اطمینان ذریعہ اُن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا نہیں ہے، اُن کی رسالت کا نام بنام اقرار نہیں کر سکتے پھر بھی اجمالی طور پر یہ مانتے ہیں کہ جو رہنمایانِ دین جس ملک میں آئے، وہ سب سچے تھے۔ اسی لئے اُن مذاہب

www.kitabmart.in

کے قدیم پیشواؤں کے بارے میں جن کے نام اُن اہل مذاہب سے جانے ہیں ایک مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی کلمہ نازیبا یا توہین آمیز جملہ زبان پر لائے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ بھی اُن کے سچے رہبرانِ دین میں سے ہو جن پر ایمان ازروئے قرآن لازم ہے۔

دیگر مفسرین نے بھی ما انزل من قبلک کو اُن کتابوں میں محدود نہیں کیا ہے جن کی تصدیق بانص قرآن میں موجود ہے چنانچہ ایک طرف سنی مفسرین رقمطراز ہیں:۔

"وما انزل من قبلک" ای التوراۃ والانجیل وما قبلھما۔	"جو آپ سے پہلے سے نازل کیا گیا تھا" یعنی توریت اور انجیل اور ان کے پہلے کی کتابیں۔

(تفسیر جلالین مطبوعہ اصح المطابع ۱۳۷۶ھ ص۴)

دوسری طرف شیعہ مفسر، علامہ محسن فیض کاشانی تفسیر صافی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ما انزل من قبلک من التوراۃ والانجیل والزبور وصحف ابراہیم وسائر کتب اللہ المنزلۃ	جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا تھا یعنی توریت انجیل، زبور، صحف ابراہیم اور باقی تمام کتابیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہوں۔

علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں:۔

یعنی الکتب المتقدمۃ	اس سے مراد پہلے والی کتابیں ہیں۔

www.kitabmart.in

پہلی صدی کے مفسر قتادہ کی لفظیں یہ ہیں کہ:۔

ما انزل من قبلك الكتب الماضية

جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا تھا یعنی گزشتہ کتابیں۔

(البیان ج ۱ ط نجف ص ۵۸)

یہی لفظیں جدید مفسرین کی بھی ہیں۔ چنانچہ علامہ مراغی لکھتے ہیں:۔

هو التوراة والانجيل وسائر الكتب السالفة فيؤمنوا بها ايمانا اجماليا لا تفصيليا

اس سے مراد توریت، انجیل اور دیگر پہلے کی کتابیں ہیں تو ان پر مجمل طور پر ایمان لانا ضروری ہے نہ کہ (نام بنام) تفصیلی طور پر۔

ہمارے ہم عصر شیعہ مفسر شیخ محمد جواد مغنیہ نے بھی لکھا ہے:۔

المراد بما انزل من قبلك الكتب التي نزلت على من سبق من الرسل

"جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا تھا" اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جو پہلے والے پیغمبروں پر اتری تھیں۔

(التفسیر الکاشف مطبوعہ بیروت ۱۹۶۸ء ج ۱ ص ۴۸)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت اچھی لفظیں لکھی ہیں:۔

"قرآن اپنا چشمۂ فیض صرف اُن کے لئے کھولتا ہے جو اپنے کو خدائی ہدایت کا محتاج بھی مانتے ہوں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہوں کہ خدا کی یہ ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعہ سے ہی خلق تک پہونچتی ہے اور پھر وہ کسی نسلی و قومی تعصب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں، اسلئے حق جہاں جہاں جس شکل میں بھی آیا ہے، اس کے سامنے سر جھکا دیں"

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵۱)

www.kitabmart.in

۳

دین کے معاملہ میں زبردستی درست نہیں

تیسرا پارہ ۵ بقرہ ۲۵۶

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی

"دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو کر سامنے آگئی ہے۔"

روایات شان نزول میں اگرچہ مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کچھ انصار مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کی اولاد میں بعض مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ان پر جبر سے کام لے کر زبردستی مسلمان بنانا چاہتے تھے جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے اور شرح میں تفصیل درج ہے کہ ابو الحصین قبیلہ سالم بن عوف میں سے ایک صحابی تھے۔ اُن کے دو فرزند ہمارے رسول ؐ کی بعثت سے پہلے عیسائی ہو گئے تھے۔ اب وہ تجارتی ضرورت سے مدینہ آئے تو باپ نے اُنھیں پکڑ لیا اور کہا میں جانے نہیں دوں گا جب تک مسلمان نہ ہو جاؤ۔ یہ مقدمہ رسول ؐ کے یہاں گیا تو یہ آیت اُتری کہ دین کے معاملہ میں جبر درست نہیں۔ اس پر باپ نے دونوں بیٹوں کو آزادی دیدی (الفتوحات الالہیہ بتوضیح تفسیر الجلالین تالیف سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی الشہیر بالجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ ط مصر ج ۱ ص ۲۰۹)

بعض کا کہنا ہے کہ کسی انصاری کا حبشی غلام تھا جسے وہ اسلام پر مجبور کرتا

www.kitabmart.in

چاہتا تھا کہ علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں لکھا ہے اور دوسری روایتیں بھی ہیں جنھیں علامہ واحدی نے اسباب النزول میں درج کیا ہے۔ (طا مصر ۱۳۱۵ھ صفحہ ۵۹)

بہر حال سب کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن نے زبردستی مسلمان بنانے سے روکا ہے۔

حقیقت میں دین کا تعلق انسان کے دل و دماغ سے ہے۔ وہ چیز دین ہی کب ہوگی جو دباؤ سے اختیار کی گئی ہو جبکہ قرآن نے صاف اعلان کر دیا اور اصحاب رسولؐ کو فہمائش کر دی کہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام نہ لینا تو اسکے بعد اگر کبھی مسلمانوں نے ایسا کیا بھی ہو تو اسکی ذمہ داری اسلام پر عائد نہیں ہو سکتی۔

مولانا ابو الکلام لکھتے ہیں:۔ "اس اصل عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر و اکراہ جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ جبر و اکراہ سے ـــــ احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے، نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے۔ قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم و تشدد کے ذریعے سے دین و اعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا۔ پس جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے، خود اسی بات کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے۔" (ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۲۳۲)

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی اتنا لکھا ہے:۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جا سکتا۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جا سکے۔" (تفہیم القرآن ج ۱ صفحہ ۱۹۶)

www.kitabmart.in

(۴)

امداد باہمی اور خیرات میں مذہب و ملت کا سوال نہیں

تیسرا پارہ بقرہ ۲۷۲

لیس علیک ھداھم ولکن اللہ یھدی من یشآء

وما تنفقوا من خیر فلانفسکم

"آپ پر اُن کے ٹھیک راستے پر لگا دینے کی ذمہ داری نہیں ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے ٹھیک راستہ پر لگاتا ہے اور جو تم لوگ مال و دولت خیرات میں دو گے وہ اپنے ہی لئے ہے۔"

یہ سوال ہمیشہ رہا ہے کہ غیر مذہب کا آدمی جو ہم سے سوال کرے اُسے دینا ازروئے مذہب کیسا ہے؟ بعض لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ اگر کسی غیر مسلم یا غیر مومن کو ہم نے دیا تو وہ کھاری کنویں میں گیا۔

یہی سوال زمانۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا ہوا اور اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔

جناب شیخ الطائفہ رح تبیان میں تحریر فرماتے ہیں:-

قال ابن عباس وابن الحنیفۃ وسعید بن جبیر نزلت ھذا لانھم کانوا یتقون الصدقۃ

ابن عباس، محمد بن حنیفہ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ یہ آیت اسلئے نازل ہوئی ہے کہ لوگ مشرکین پر خیرات کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

www.kitabmart.in

علی المشرکین حتیٰ نزلت — یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

(تبیان طبع نجف ج ۲ ص ۳۵۴)

اسی طرح علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں لکھا ہے:

کان مسلمون تمتنعون عن الصدقة علی غیر اهل دینهم فانزل الله تعالیٰ هذه الآیة — مسلمان اپنے دین کے مختلف افراد پر خیرات کرنے سے پرہیز کرتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں خیرات کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ مسلمان ہے یا کافر۔ تمھیں تو بس یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایک انسان ہے اور وہ تمھاری امداد کا محتاج ہے لہٰذا تم امداد کرو اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کہ تمھیں اس کا اجر ملے گا اُس کے کافر ہونے سے تمھارا کیا نقصان ہے! علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں کہ:۔

فلا یضرکم کفرهم — تمھیں اُن کا کفر نقصان نہیں پہونچائے گا۔

(غرائب القرآن)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:۔

"ابتدا میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور عام غیر مسلم اہل حاجت کی مدد کرنے میں تامل کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ صرف مسلمان حاجتمندوں کی مدد کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس آیت میں اُن کی یہ غلط فہمی دُور کی گئی ہے۔"

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۰۹)

مفسر ابن کثیر کا بیان بھی اس سے متفق ہے جس کے لئے تفسیر ابن کثیر اردو

www.kitabmart.in

(پارہ تلک الرسل ص۲۸) میں سرخی قائم کی گئی ہے:۔
"صحابہ کا ایک تذبذب اور خدا تعالے کا واضح ارشاد"
اس کے تحت میں لکھا ہے کہ :۔
"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشترک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری"
محشی جلالین مولوی محمد سعد اللہ قندھاری بھی آیت کے اصل مضمون سے بالکل متفق ہیں، یہ اور بات ہے کہ انھوں نے سابق تنگ نظری کی ذمہ داری خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈال دی ہے اور ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے سعید بن جبیر کے مرسل روایت نقل کردی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ بس اپنے اہل مذہب کو دیا کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب حضرتؐ نے فرمایا :۔

تصدقوا علی اھل الادیان — ہر مذہب کے لوگوں کو خیرات دو

تھا۔

(الکشف المحجوبین علی تفسیر الجلالین مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ص۴۳)

اس سے بہتر تو جلالین کے دوسرے شارح سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی الشہیر بالجمل متوفی سنہ ۱۲۰۴ھ کا طریق کار ہے کہ انھوں نے اس روایت کو بطور قول ضعیف بعد میں نقل کیا ہے اور پہلے یہ لکھا ہے کہ کچھ مسلمانوں کی نسبی اور حسبی رشتہ داریاں یہودیوں سے تھیں اور وہ مسلمان ہونے سے پہلے اُن پر خیرات کرتے تھے تو مسلمان ہونے کے بعد ہاتھ روک لیا کہ وہ اپنی پریشانی سے مجبور

www.kitabmart.in

ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

الفتوحات الالٰہیہ ط مصر ج ۱ ص ۲۲۵

مصر کے ماضی قریب کے عالم علامہ مراغی نے اس سے قبل کی آیت جو ہے کہ:-

ان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم

اگر تم خیرات پوشیدہ طریقہ پر محتاجوں کو دو تو بھی تمہارے لئے اچھا ہے۔

اس کے تحت میں لکھا ہے:-

قد فهم من قوله "الفقراء" ولم يقل "فقراءكم" ان صدقة التطوع للمسلم والكافر والبر والفاجر وان الله قد كتب الاحسان الى كل حي وفي الصحيحين في كل كبد حرى اجر

"محتاجوں" کی لفظ سے (جو مطلق ہے) اور یہ نہیں کہا گیا کہ "تم میں سے جو محتاج ہیں" یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مستحق خیرات مسلمان، غیر مسلمان اور نیکوکار، بدکار ہر ایک کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ نے ہر ذی روح کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے اور صحیحین میں ہے کہ ہر تپتے ہوئے جگر کی پیاس بجھانے) میں اللہ کے یہاں اجر ہے۔

(تفسیر المراغی ج ۳ ص ۴۲)

پھر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

بعد ان ارشدنا في الآية السابقة الى ايتاء الصدقات الفقراء عامة مسلمين وغيرهم بين هنا انه لا ينبغي التحرج من اعطاء الفقير غير المسلم

جبکہ اس کے پہلے کی آیت میں یہ ہدایت ہو چکی کہ خیرات تمام فقراء کو دی جانا چاہئے چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، تو اب اس آیت میں صاف بیان کیا جا رہا ہے کہ غیر مسلم فقیر کو خیرات دینے میں اس کے کفر کی وجہ سے تامل نہیں

www.kitabmart.in

يعني التحرج من اعطاء
الفقير غير المسلم الصدقة
لكفره لان الصدقة لسد
خلته فلا دخل لها بايمانه
اذ من شان المؤمن ان
يكون خيره عاما
(تفسير المراغي ج ۳ ص ۴۲)

فقیر کو خیرات دینے میں اس کے کفر کی وجہ سے تامل
نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ خیرات تو اس کی ضرورت
پوری کرنے کے لئے ہے لہٰذا اس میں اس کے
ایمان کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے کہ
صاحبِ ایمان کی شان یہ ہونا چاہیئے کہ اس
کا فیض عام ہو۔

پھر وما تنفقوا من خیر فلانفسکم کے تحت میں لکھا ہے:۔

فلان ثوابه لكم و نفعه
الذي يرجع اليكم للفقراء
فلا تمنعوا الانفاق على
فقراء المشركين (ص ۳۹)

اسلئے کہ اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور دینی
فائدہ اس کا تمہاری طرف عائد ہوگا، نہ کہ
محتاجوں کی طرف لہٰذا فقراء مشرکین سے
خیرات کو نہ روکو۔

پھر لکھا ہے:۔

وما تنفقون الا ابتغاء وجه
الله اي انكم لا تنفقون لا
جل جاه و لا مكانة عند المنفق
عليه وانما تنفقون لقربة
الله فلا فرق بين الفقير و
فقير اذا كان مستحقا بتقرب
بازالة ضرورته

"اور تم نہیں خیرات کرتے مگر اللہ کی خوشنودی کے
لئے" یعنی تم خیرات شان و شوکت کے لئے تو
نہیں اور نہ جس پر خیرات کرتے ہو، اس کے
پاس کوئی جگہ حاصل کرنے کے لئے بلکہ تم اللہ
سے تقرب کی خاطر خیرات کرتے ہو تو پھر اس محتاج
اور اس محتاج میں کوئی فرق نہیں جبکہ وہ مستحق
ہے اور اس کی ضرورت پوری کرنے سے

www.kitabmart.in

الی الرزّاق الکریم الّذی لا یحرم احدًا من رزق لاجل عقیدتہ و ہٰذا کقولہ، کلاًّ نمدّ ہٰؤلاء و ہٰؤلاء من عطاء ربّک وما کان عطاء ربّک محظورًا۔

(تفسیر المراغی ج ۳ ص ۲۹)

اُس فیاض روزی رساں کی بارگاہ میں تقرب ہو ہے جو کسی کو اُسکے عقیدہ کی بنا پر روزی سے محروم نہیں کرتا۔ یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ انھیں اور اُنھیں سب کو ہم پروردگار کے عطیہ سے مدد پہونچاتے ہیں اور اُسکی عطا کسی کے لئے ممنوع نہیں ہے۔

دوسرے ہمارے ہم عصر شیعہ مصنف شیخ محمد جواد مغنیہ مذکورہ بالا شانِ نزول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فخاطب اللّٰہ نبیّہ بہٰذا الآیۃ واراد بہا جمیع المسلمین مبینا لہم ان الکافر لا یعاقب علی کفرہ فی ہٰذہ الحیاۃ بمنع الرزق منہ والتضییق علیہ کی یضطر الی الایمان ولیس لاحد ان یعاملہ بذٰلک حتی ولو کان رسولا من عند اللّٰہ (افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین

(التفسیر الکاشف مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۲۰۲)

تو اللہ نے اس آیت کے ذریعہ سے اپنے پیغمبر کو مخاطب بنایا اور مقصود تمام مسلمانوں کو متنبہ کرنا اور بتانا ہے کہ کافر کی اس دنیوی زندگی میں یہ سزا نہیں دیجاتی کہ اُسکی روزی روک دی جائے اور تنگی کی جائے کہ وہ مجبوراً ایمان لے آئے اور کسی کو اُس کے ساتھ ایسے سلوک کا حق نہیں ہے چاہے اللہ کا پیغمبر ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ کیا آپ لوگوں کو مجبور کرینگے کہ وہ ایمان لے آئیں؟ (یعنی ایسا ہونا درست نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

۵

انسانی برادری اور اُس کے حقوق کی تاکید

چوتھا پارہ۔ سورۂ نساء پہلی آیت :۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝

"اے انسانو! لحاظ کرو اپنے پروردگار کا جس نے تمھیں پیدا کیا ایک متنفس کے اور اُسی سے اُس کی رفیقۂ حیات کو پیدا کیا اور اُنھی دونوں سے بہت سے مردوں اور بہت سی عورتوں کو پھیلا دیا اور اِس کا لحاظ کرو اللہ کا جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کا۔ یقیناً اللہ تم پر حاضر و ناظر ہے"۔

اس آیت میں عالمگیر اخوت کا اعلان ہے جیسا کہ شیخ الطائفہ نے لکھا ہے :۔

www.kitabmart.in

هٰذہٖ الآیۃ خطاب لجمیع المکلّفین — اس آیت میں تمام بالغ و عاقل انسانوں سے تخاطب ہے۔

(تبیان ج ۳ ص۹۹)

اس کی رو سے تمام نوع انسانی ایک برادری میں منسلک ہے، اس لئے بھی کہ اُن سب کا پیدا کرنے والا ایک ہے اور اس لئے بھی کہ وہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔

آخر میں حقوق انسانی کے متعلق انتباہ کیا گیا ہے کہ جب تم ایک برادری ہو تو تم سب کے آپس میں ایک دوسرے پر حقوق بھی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے ـــ اور یہ رشتوں کے حقوق کی اہمیت ہے کہ جس طرح ایک جگہ قرآن میں احسان بالوالدین کو عبادتِ الٰہی کے ساتھ بالکل ایک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں حقوق قرابت کا لحاظ کرنے کے لئے کہا: "اتقوا اللّٰہ ـــ والارحام" یعنی اللہ کی مخالفت سے بچو اور رشتوں کے تقاضوں کی مخالفت سے۔ یہ اس شعبہ کی اہمیت کے لئے بڑی بات ہے جس پر ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اپنے ارشادات سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ علّامہ طبری رح لکھتے ہیں۔

واتقوا الارحام ان تقطعوھا وھو المروی عن ابی جعفر ع — رشتوں سے ڈرو کہ اُن کے تقاضوں کے خلاف عمل نہ ہونے پائے یہی معنی اسکے امام محمد باقر ع سے وارد ہوئے ہیں۔

انہی لفظوں کو بعینہٖ تفسیر جلالین میں درج کر دیا گیا ہے "واتقوا الارحام ان تقطعوھا" (مطبوعہ اصح المطابع ص۶۹)

www.kitabmart.in

علامہ ملا محسن فیض رح نے لکھا ہے :۔

فی الکافی والعیاشی عن الصادق فی ارحام الناس ان اللہ عز وجل امر بصلتہا و تعظیمہا الا تری انہ جعلہا لمعہ اقول لعینی قرنہا باسمہ فی الامر بالتقویٰ

کافی اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق ع سے روایت ہے کہ یہ انسانوں کے رشتے ہیں۔ اللہ نے انکے تقاضوں کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور انکی اہمیت ظاہر کی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے ان رشتوں کو اپنے ساتھ قرار دیا ہے یعنی تقوے کا حکم دینے میں انکے ذکر کو اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے۔

۶

غیر مسلم کی طرف سے صفائی اور مسلمانوں کو سرزنش

پانچواں پارہ سورۂ نساء آیت ۱۰۵ تا ۱۱۴

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما ۝ واستغفر اللہ ان اللہ کان غفورا رحیما ۝ ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ط ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما ۝ یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم

www.kitabmart.in

اذ یبیتون مالا یرضیٰ من القول وکان اللہ بما یعملون
محیطا ۝ ھآانتم ھٰؤلآء جادلتم عنھم فی الحیٰوۃ الدنیا
فمن یجادل اللہ عنھم یوم القیٰمۃ ام من یکون علیھم
وکیلا ۝ ومن یعمل سوٓءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ
یجد اللہ غفورا رحیما ۝ ومن یکسب اثما فانما یکسبہ
علیٰ نفسہ وکان اللہ علیما حکیما ۝ ومن یکسب خطیئۃ
او اثما ثم یرم بہ بریٓئا فقد احتمل بھتانا واثما مبینا ۝
ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طآئفۃ منھم
ان یضلوک ؕ وما یضلون الا انفسھم وما یضرونک من
شیٔ ؕ وانزل اللہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلمک مالم
تکن تعلم ؕ وکان فضل اللہ علیک عظیما ۝ لاخیر فی کثیر
من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین
الناس ؕ ومن یفعل ذٰلک ابتغآء مرضات اللہ فسوف
نؤتیہ اجرا عظیما ۝

یہ طویل سلسلہ آیات قرآنی کا جس کی مثال کسی ایک واقعہ سے متعلق قرآن
میں شاذ ہی کہیں پائی جاتی ہو صرف ایک غیر مسلم کی صفائی حمایت یا وکالت کے
اہم مقصد کی خاطر نازل کیا گیا ہے۔ اس کے ذیل میں فریق مخالف کو جو مسلمان تھے،
سخت ترین تنبیہی تازیانے لگائے گئے ہیں۔

www.kitabmart.in

یہ اہم واقعہ شاہ عبدالقادر دہلوی کی قدیم اُردو میں حسب ذیل تھا

"ایک انصاری کی زرہ آٹے میں دھری گم ہو گئی صبح کو تلاش کی تو آٹے کا خط دیکھا ایک شخص کے گھر تک، اُس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا۔ وہاں جھاڑ لیا تو نہ پائی زرہ۔ خط آگے دیکھا ایک یہودی کے گھر تک، زید نام اور وہاں پائی اُس یہودی نے کہا کہ مجکو طعمہ نے سپرد کی۔ طعمہ نے کہا میں بری ہوں، چور وہی ہے۔ طعمہ کی قوم نے مشورت کی کہ ہم حضرت کے پاس سب مل کر گواہی دیں گے کہ طعمہ بری ہے تو حضرت ہماری حمایت کریں گے اور یہودی چور ٹھہرے گا۔ صبح کو یہی کیا۔ اللہ تعالے نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت کو خبردار کر دیا۔ فی الحقیقت چور یہی تھا طعمہ"

(موضح القرآن)

جناب شیخ طوسی کی تفسیر "تبیان" سے ثابت ہوتا ہے کہ بشر، بشیر اور مبشر، تینوں فرزند ابیرق تھے اور بشر کی کنیت ابوطعمہ تھی، یہی تینوں اس چوری کے مرتکب تھے۔ اس طرح بن ابیرق کے بجائے صحیح ابوطعمہ بن ابیرق ہے۔ تفسیر جلالین میں ولدیت تو صحیح لکھی ہے مگر نام طعمہ ہی لکھا ہے۔ بہر صورت یہ سب لوگ مسلم جماعت کے افراد تھے جو ایک یہودی کو پھنسانا چاہتے تھے۔

مولوی محمد سعد اللہ قندھاری حنفی نے نشفت المجوبین علی التفسیر صفحہ ۱۸۲ میں اس روداد کو جلالین "سرق طعمۃ بن ابیرق" پر حاشیہ دیتے ہوئے

www.kitabmart.in

اس طرح لکھتے ہیں:-

من جارہ قتادۃ وکان فی
جراب فیہ دقیق وفیہ خرق
فصار الدقیق ینتثر منہ
فاتّھم طعمۃ فالتمست الدرع
منہ فحلف انہ ما اخذھا و
مالہ بھا من علم کاذبا وکان
ودعھا عند یھودی یقال لہ
زید بن السمین فقال اصحاب
الدرع نتبع اثر الدقیق فتتبعوہ
حتی وصل الی طرا الیھودی فاخبر
انہ ودعھا عندہ طعمۃ شھد
بہ قومہ فقال بنو ظفر قوم
طعمۃ نذھب الی رسول اللہؐ
نشھد ان الیھودی سرقھا
لئلا نفضح بل عزموا علی
الحلف فذھبوا وشھدوا
ان ورادلھم یظھر لہ علیہ السلام
قادح فیھم فھم بقطع الیھودی
فانزل اللہ الآیات بالوحی فھم

(طعمہ نے چوری کی) اپنے ہمسایہ قیادہ کے یہاں سے
اور وہ (زرہ) ایک بورے میں تھی جس میں آٹا
تھا اور اُس بورے میں جا بجا سوراخ تھے تو آٹا
اُس میں سے گرتا گیا تو ان کا گمان طعمہ پر
ہوا اور اُن سے زرہ طلب کی گئی تو اُنھوں
نے جھوٹی قسم کھائی کہ اُنھوں نے اُسے نہیں
لیا ہے اور نہ اُنھیں اُس کے متعلق کوئی علم
ہے اور اُنھوں نے اُسے ایک یہودی کے پاس
بطور امانت رکھدیا تھا جس کا نام زید بن
سمین تھا تو زرہ کے مالک والی پارٹی نے کہا
کہ ہم آٹے کے نشانات دیکھیں گے تو وہ ان
نشانات کو دیکھتے ہوئے اُس یہودی کے گھر
تک پہونچے جس پر اُس نے یہ اطلاع دی کہ
اُسکے پاس اسے طعمہ نے بطور امانت رکھا ہے
اور اُس کی قوم کے لوگوں نے اُس کی گواہی دی
اس پر بنی ظفر نے جو طعمہ کے قبیلہ والے تھے کہا
کہ ہم رسولخدا کے پاس جاکر گواہی دینگے کہ
اس یہودی نے اسے چرایا ہے تاکہ ہم لوگ
رسوا نہوں بلکہ انھوں نے اس پر حلف اٹھانے
کا بھی ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ گئے اور جھوٹی
گواہی دی اور حضرت رسولخداؐ کو بظاہر ان
کی گواہی نا مقبول ہونے کا کوئی سبب معلوم
نہیں ہوا تو آپ نے یہودی کو چوری کی سزا

www.kitabmart.in

ان یقضی علی طعمۃ فھرب الی مکۃ وارتد ونقب حائطا لیسرق متاع اھلہ فوقع علیہ فقتلہ فمات مرتداً

دینے کا ارادہ کیا۔ لہٰذا اللہ نے وحی کے ذریعہ سے حقیقت حال پر حضرت کو مطلع کیا اور آپ نے ارادہ فرمایا کہ طعمہ کے خلاف فیصلہ نافذ فرمائیں اس پر وہ مکہ بھاگ گیا اور مرتد ہوگیا اور پھر مکان میں نقب زنی کر کے سامان چرانا چاہا تو وہ دیوار اُس پر گر پڑی اور اس طرح وہ مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا۔

چوری بھی اور پھر ایک بے گناہ کے پھنسانے کی کوشش بھی اور یہ پہلو خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے کہ وہ بے گناہ غیر مسلم تھا اور یہ صحابہ اپنے خیال میں شاید وقار اسلامی کا تحفظ کر رہے تھے کہ آئی گئی ایک غیر مسلم اور وہ بھی یہودی پر جائے جو بنص قرآن اشد الناس عداوۃ للہ ورسولہ (خدا و رسول کے سب سے بڑے دشمن) ہیں، مگر یہ خالق کریم اور شارع اسلام کی جانب سے حقوق انسانی اور عدل و مساوات کے ہمہ گیر مفاد کا تحفظ تھا کہ باوجودیکہ ظاہری قرائن یہودی کو مجرم قرار دے رہے تھے اور مسلمان اور معزز صحابی صاف بچ رہا تھا مگر خالق نے اس موقع پر اپنے خاص انتظام سے رسول کو صورت حال پر مطلع کیا اور غیر مسلم کے بری ہونے کا اظہار کر دیا۔ چونکہ آئین کے مطابق جو گواہیاں حضرت کے سامنے گزری تھیں اُن کی بنا پر آپ فرما رہے تھے کہ یہودی مجرم قرار پاتا ہے، اس بنا پر خالق کی جانب سے ارشاد ہو رہا ہے کہ "ہم نے آپ پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری ہے

www.kitabmart.in

تاکہ جو اللہ نے آپ پر نمایاں کر دیا ہے اُس کے مطابق آپ لوگوں میں فیصلہ کریں اور آپ بددیانتوں کی وکالت نہ کیجیے اور اللہ سے معافی کی سفارش کیجیے، یقیناً اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ بددیانت یہی مسلمان ہیں۔ اُن کی سازشی گواہیوں میں آکر اُس یہودی کو مجرم قرار نہ دیجیے۔ یا ان مسلمانوں کے لیے جو اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، آپ بارگاہِ الٰہی میں مغفرت کی دعا کریں کہ یہ آپ کا منصب ہے اور انھیں بھی مغفرتِ الٰہی سے ناامید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایک مسلمان کے لیے رحمتِ خدا سے مایوسی بھی درست نہیں ہے مگر اس کا نتیجہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے کو جرم سے بچانے کے لیے ایک دوسرے بے گناہ کو مرتکب جرم ثابت کریں۔ اُن کے اس رجحان کی آپ کی طرف سے جو خود اپنے ساتھ غداری کر رہے ہیں، آپ بحث مباحثہ نہ کیجیے۔ یقیناً اللہ ایسے جو گنہگار و غدار ہے دوست نہیں رکھتا۔"

اصطلاح قرآنی میں ہر گناہ اپنے ساتھ غداری ہے، اس لیے کہ خود اپنے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اپنے کو نجات کا حقدار بنائے۔ پھر یہ مسلمان جس نے سرقہ تو خود کیا اور تہمت لگاتا ہے ایک غیر مسلم پر، اپنی جماعت کے ساتھ بھی غدار ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ دوسروں کی نگاہ میں اپنی پوری جماعت کے کردار کو داغدار بنا رہا ہے۔ بلکہ اُس نے اور اُس کی قوم والوں نے جو سب مسلمان تھے۔ چونکہ یہ کوشش کی کہ پیغمبر اسلامؐ سے ایک بے گناہ کو جو غیر مسلم ہے سزا دلوا دیں اور ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اُس غیر مسلم کی نگاہ میں رسولؐ (معاذ اللہ) ظالم قرار پاتے تو یہ

www.kitabmart.in

درحقیقت اس مجسّمِ خلقِ عظیم اور رحمۃٌ للعالمین پر بھی ایک ظلم ناروا تھا کہ اُن کے دامن کو اپنی خود غرضی کی بدولت داغدار بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

"وہ آدمیوں سے تو چھپ لیں گے، اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ وہ تو اُن کے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ راتوں کو اُس کی ناپسندیدہ گفتگوئیں کرتے ہوتے ہیں، اور اللہ اُس پر کہ جو یہ کرتے رہتے ہیں، حاوی ہے۔"

یہ انہی مسلمانوں کی سرزنش ہے جنھوں نے یہودی پر الزام لگانے کا صلاح مشورہ کے ساتھ منصوبہ بنایا تھا، جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے:۔

اذ یبیتون مالا یرضیٰ من القول من عزمھم علیٰ نفی السرقۃ ورمی الیھودی

جب وہ راتوں کو اُس کی ناپسندیدہ گفتگو کرتے ہیں اس ارادہ سے کہ اپنے سے چوری کے الزام کا انکار کریں اور یہودی کو ملزم قرار دیں۔

"اچھا! اس وقت تم لوگ اُن کی طرف سے اس دنیاوی زندگی میں بحث مباحثہ کر بھی لو تو قیامت کے دن اللہ سے اُن کی طرف سے اس دنیاوی زندگی میں بحث مباحثہ بھی کر لو تو قیامت کے دن اللہ سے اُن کی طرف سے کون بحث کرے گا یا کون اُن کا نمایندہ ہو سکے گا۔"

قبل کی آیتوں میں خطاب بصیغۂ مفرد خاص رسولؐ کے ساتھ ہونے کے بعد کہ "ان کی طرف سے بحث مباحثہ نہ کیجیے" "ان کی وکالت نہ کیجیے" خود اُس کے بعد خطاب کو بحیثیت جمع وارد کرنا کہ "تم لوگ یہاں اُن کی طرف سے لڑ لو، قیامت میں اُن کی طرف سے کون لڑے گا؟" صاف اس

www.kitabmart.in

کا قرینہ ہے کہ وہ خطاب بھی اگرچہ بظاہر خود رسولؐ سے تھا مگر اس سے مقصود دوسرے لوگوں ہی کی تنبیہ تھی جو اُن مجرموں کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔

"اور جو برائی کرے یا خود اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش کا طالب ہو تو وہ اللہ کو بڑا بخشنے والا پائے گا، بڑا مہربان۔ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ بس اپنے ہی نقصان کا باعث ہوتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا، اور جو کوئی غلطی یا گناہ کرے، پھر اُسے کسی بے قصور کے سر منڈھ دے، اس نے افترا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اُٹھایا"

یہ سب تہدیدی و تنبیہی تازیانے اسی جماعت کے کردار پر ہیں، جس نے ایک مسلمان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے ایک یہودی پر تہمت لگا دی تھی۔

"اور اگر اللہ کا فضل و کرم آپ کے شامل حال نہ ہوتا اور اس کی مہربانی تو ان میں کا ایک گروہ یہ چاہتا کہ وہ آپ کو گمراہ کرے حالانکہ (اب صورت یہ ہے کہ) وہ خود اپنے ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور آپ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے اور اللہ نے آپ پر اپنے قانون کے احکام اور حکیمانہ راز اتارے ہیں اور آپ کو وہ علم دیا ہے جو آپ کو خود حاصل نہ ہوتا اور اللہ کا فضل و کرم آپ پر بہت بڑا ہے۔"

اُس مسلمان کی صفائی پیش کرنے میں قسمیں کھا کھا کر اور غلط گواہیاں دے دے کر چاہتے تھے کہ رسولؐ اس یہودی کو مجرم سمجھ لیں اور اس کو

www.kitabmart.in

مستوجب سزا قرار دیں۔ اس طرح ایک غیر قوم کی نظر میں مسلمانوں کے کردار کے ساتھ خود رسولؐ کے عدل و انصاف کا دامن بھی داغدار ہو جائے۔

اللہ نے غیر معمولی طریقہ پر رسولؐ کو حقیقت حال سے اطلاع دے کر آپ کے دامن کو اس دھبے سے صاف رکھا اور اُن دوست نما دشمنوں کا منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔

"زیادہ تر ان کی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی سوا اُس کے جو کسی خیر خیرات یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی بات چیت کرنے اور جو ایسا کرے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُسے ہم بڑا ثواب عطا کریں گے"

سازشیں اور منصوبے زیادہ تر خفیہ سرگوشیوں ہی سے بنتے ہیں چنانچہ ایک مسلمان کو بچا کر یہودی کو پھانسنے کی کوشش بھی اسی طرح ہوئی تھی۔

اتنی تشریح و توضیح کے ساتھ ہم نے ان آیات کے مضمرات کو بحمد اللہ درج کیا ہے۔ اتنے احاطہ و تفصیل کے ساتھ نہ سہی۔ بہرحال کچھ ان پہلوؤں کو جو ہمارے مقصد کے لحاظ سے اہم ہیں، مولانا ابوالکلام نے بھی اپنے متعدد نوٹوں میں ان آیات کے ذیل میں درج کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

"مسلمان قاضی کو چاہیئے ہر حال میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہے، مسلمان کی طرفداری نہیں کرنی چاہیئے۔"

(ترجمان القرآن ج ۱ ص ۵۲۶)

"مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان

www.kitabmart.in

دقبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کرکے ہمنوا بندی کر لیں۔ دنیا کی نگاہیں نہ دیکھتی ہوں، لیکن خدا تو دیکھ رہا ہے کہ کون مجرم ہے، کون نہیں ہے۔" (ص۵۲۷)

"جو برائی کرتا ہے، اُس کی برائی اُس پر ہے۔ پس یہ خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہے۔" (ص۵۲۸)

"خود قصور کرنا اور اُسے دوسرے کے سر تھوپ دینا ایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کا ارتکاب کرنا ہے، تم دنیا کی عدالت کو دھوکا دے دو لیکن خدا کی عدالت کو کیونکر دھوکا دے سکتے ہو۔"

(ص۵۲۹)

چونکہ قرآن مجید میں درج شدہ یہ قضیہ مختلف وجوہ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے طوالت کے اندیشہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم بر نقطۂ نظر کے علمائے اسلام کے تشریحات اس سلسلہ میں درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان آیات کے پس منظر اور اُن کے مضمرات میں کسی بھی طبقۂ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تشریحات ملاحظہ ہوں، وہ لکھتے ہیں:۔

"اس رکوع اور اس کے بعد والے رکوع میں ایک اہم معاملہ سے بحث کی گئی ہے جو اُس زمانہ میں پیش آیا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر بن ابیرق تھا۔ اس نے ایک انصاری کی زرہ چرالی اور جب اُس

www.kitabmart.in

کا تجسس شروع ہوا تو مال مسروقہ ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا۔ زرہ کے مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا اور طعمہ پر اپنا شبہ ظاہر کیا مگر طعمہ اور اس کے بھائی بندوں اور بنی ظفر کے بہت سے لوگوں نے آپس میں اتفاق کر کے اُس یہودی پر الزام تھوپ دیا۔ یہودی سے پوچھا گیا تو اُس نے اپنی برائت ظاہر کی لیکن یہ لوگ طعمہ کی حمایت میں زور شور سے وکالت کرتے رہے اور کہا کہ یہ یہودی خبیث جو حق کا انکار اور اللہ کے رسول سے کفر کرنے والا ہے، اس کی بات کا کیا اعتبار؟ بات ہماری تسلیم کی جانا چاہیئے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ قریب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کی ظاہری روداد سے متاثر ہو کر اس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے اور مستغیث کو بھی بنی ابیرق پر الزام عائد کرنے پر تنبیہ فرماتے، اتنے میں وحی آئی اور معاملہ کی ساری حقیقت کھول دی گئی۔

اگرچہ ایک قاضی کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روداد کے متعلق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپ کے لئے کوئی گناہ نہ ہوتا اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی ہی ہیں کہ انکے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کر لئے جاتے ہیں لیکن اس وقت جبکہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک زبردست کشمکش برپا تھی، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

www.kitabmart.in

روداد مقدمہ کے مطابق یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ کے خلاف اور پوری اسلامی جماعت اور خود دعوت اسلامی کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا۔ وہ کہتے پھرتے کہ اجی یہاں حق و انصاف کا کیا سوال ہے؟ یہاں تو وہی جتھہ بندی اور عصبیت کام کر رہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے۔ اسی خطرہ سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس مقدمہ میں مداخلت فرمائی۔

ان رکوعوں میں ایک طرف ان مسلمانوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جنھوں نے محض خاندان اور قبیلہ کی عصبیت میں مجرموں کی حمایت کی تھی۔ دوسری طرف تمام مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں کسی تعصب کا دخل نہ ہونا چاہیئے۔ یہ ہرگز دیانت نہیں ہے کہ اپنے گروہ کا آدمی اگر برسر باطل ہو تو اس کی بے جا حمایت کی جائے اور دوسرے گروہ کا آدمی اگر برسر حق ہو تو اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔"

(تفہیم القرآن ج ۱ صفحہ ۳۹۳-۳۹۴)

www.kitabmart.in

(۷)

دوست اور دشمن کی تفریق کے بغیر
عدل و انصاف کی ذمہ داری

(چھٹا پارہ سورہ مائدہ آیت ۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! تم اللہ کے عائد کردہ فرائض کی تکمیل کے ذمہ دار اور عدل و انصاف کے ساتھ گواہ رہو اور کسی قوم کی مخالفت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرتے رہو، یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ کے غضب سے بچو۔ یقیناً اللہ جو تم کرو اس سے باخبر ہے۔"

اس آیت سے ایک باقتدار مسلم حکومت کی ذمہ داری غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ بھی نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے حقوق و حدود کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم رعایا میں امتیاز برتنا درست نہیں ہوگا۔ تفسیر جلالین میں ہے:-

www.kitabmart.in

لا یجرمنّکم یحملنکم شنان بغض قوم ای الکفار علی الّا تعدلوا فتنالوا منھم لعداوتھم اعدلوا فی العدوّ والولی	تمھیں آمادہ نہ کرے کسی قوم یعنی کافروں سے دشمنی، اس بات پر کہ تم عدل سے کام نہ لو، اسطرح کہ انکی دشمنی کے باعث سے انھیں کوئی نقصان پہونچاؤ۔ نہیں، دشمن اور دوست سب کے ساتھ یکساں طور پر تم عدل سے کام لو۔
(مطبوعہ اصح المطابع ص۹۶)	

علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں :۔

اعملوا بالعدل ایھا المؤمنون فی اولیائکم واعدائکم	اے ایمان لانے والو! عدالت وانصاف پر عامل رہو اپنے دوستوں میں بھی اور اپنے دشمنوں میں بھی

شیخ الکاظمؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

امرھم بعد النھی عن الجور ان یفعلوا العدل مع کل واحد ولیا کان او عدوّا	ظلم وجور سے ممانعت کے بعد انھیں حکم دیا ہے کہ وہ عدل سے کام لیں، ہر ایک کے ساتھ، خواہ وہ دوست ہو یا دشمن۔
(تبیان ج ۳ ص۴۶۲)	

چونکہ اس کے پہلے بھی اس سورہ کے شروع میں یہ جملہ آچکا ہے کہ :۔

لا یجرمنّکم شنآن قوم ان صدّوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا۔	کسی جماعت کی دشمنی کہ انھوں نے تمکو مسجد الحرام میں داخلہ سے روکا تھا، تمھیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے تجاوز کرو۔

اسلیے اب اس دوسری آیت کے ذیل میں ملا محسن فیض نے لکھا ہے :۔

www.kitabmart.in

تکریر ھذا الحکم امّا لاختلاف السبب کما قیل انّ الاولی نزلت فی المشرکین وھذہٖ فی الیھود او لمزید الاھتمام بالعدل والمبالغۃ فی اطفاء نائرۃ الغضب (صافی)

یہ حکم مکرر وارد ہوا یا تو سبب کے مختلف ہونے کی وجہ سے جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ پہلی آیت مشرکین کے بارے میں اتری ہے اور یہ یہودیوں کے بارے میں یا عدالت کی زیادہ اہمیت ثابت کرنے اور غیظ و غضب کی آگ کو خاموش کرنے پر زور دینے کے لئے ؟

مولانا ابو الکلام لکھتے ہیں :۔

"اس آیت میں فرمایا" دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ اپنی سیرت (کیریکٹر) میں سرتاسر حق و صداقت کا پیکر بن جاؤ۔ تمھیں "قوامون للہ" اور "شھداء بالقسط" ہونا چاہیے۔ یعنی مضبوطی کے ساتھ حق کے لئے کھڑے ہونیوالے اور حق و انصاف کے لئے شہادت دینے والے اپنا ہو یا پرایا۔ موافق ہو یا مخالف، دوست ہو یا دشمن، جس کے ساتھ معاملہ کرو، انصاف کے ساتھ کرو اور جس کے حق میں کوئی بات کہو انصاف کی کہو"

(ترجمان القرآن ج ۱ ص ۵۹۷)

www.kitabmart.in

(۸)

دوسروں پر نکتہ چینی کے بجائے خود اپنی خبر لو

ساتواں پارہ سورۂ مائدہ ۱۰۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"اے ایمان لانے والو! تم پر ذمہ داری خود اپنے نفوس کی ہے۔ جب تم صحیح راستے پر ہو تو جو گمراہ ہو، وہ تمھارا کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہوگا تو وہ تم کو بتائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔"

زیادہ تر لوگ دوسروں کے افعال پر نکتہ چینی سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں لیکن خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ خود ہم میں کیا کیا نقائص ہیں۔ ان لوگوں کے کردار پر اس آیت میں تازیانہ لگایا ہے۔ کہ تم دوسروں پر ہر وقت نکتہ چینی کیا کرتے ہو۔ وہ جیسے ہوں، ہوا کریں، تمھیں تو اپنے نفوس کی خبر لینا چاہیئے۔ کہ تم تو اپنے فرائض سے غفلت نہیں برت رہے ہو۔

ہماری قدیم تفسیر جو بظاہر حدیث معصوم پر مبنی ہے، اسی مفہوم

www.kitabmart.in

کے مطابق ہے :-

اصلحوا انفسکم ولا تتبعوا عورات الناس فلا تذکروھم فانہ لا تضرکم ضلالتھم اذا کنتم انتم صالحین۔	خود اپنی اصلاح کرو اور لوگوں کے عیوب تلاش کر کرکے اُن کا تذکرہ نہ کرو، اس لئے کہ اُن کی گمراہی سے تمھیں کوئی نقصان نہ پہونچے گا، اگر تم خود نیک کردار ہو،

(علی بن ابراہیم)

علامہ فیض نے اسے بھی تائیدی طور پہ درج کیا ہے اور خود اس کے علاوہ جو شانِ نزول اور ایک معصوم کی حدیث نقل کی ہے، وہ بھی اس محور پر گردش کرتی ہے، شان نزول یہ ہے :-

نزلت لما کان المؤمنون یتحسرون علی الکفرۃ و یتمنون ایمانھم	یہ آیت اُس وقت اُتری جب اہل ایمان افسوس کرتے تھے کافروں کے حال پر اور اُن کے ایمان لانے کی تمنا رکھتے تھے۔

اور حدیث جو مجمع البیان سے نقل کی ہے، حسب ذیل ہے :-

انّ ابا ثعلبۃ سأل رسول اللہ عن ھذہ الآیۃ فقال ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر فاذا رأیت دنیا مؤثرۃ وشحاً مطاعاً وھوی مستعاداً واعجاب کلّ ذی رأی برأیہ فعلیک	ابو ثعلبہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا فرمایا نیک کاموں کو انجام دو اور بری باتوں سے پرہیز کرو تو جب دیکھو کہ دنیا کو مقدم کیا جارہا ہے اور تنگ دلی سے کام لیا جارہا ہے اور نفسانی خواہشوں کی پیروی ہو رہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے کا

www.kitabmart.in

نفسک ذر عورا تقم — گرویدہ ہے تو بس اپنے نفس کو ٹھیک رکھو
(تفسیر صافی) — اور اُن کی برائیوں سے صرف نظر کر دو

عصر حاضر کے اہل قلم میں سے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :-

"یعنی بجائے اس کے کہ آدمی ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور فلاں کے عقیدہ میں کیا خرابی ہے اور فلاں کے اعمال میں کیا برائی ہے، اسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے، اسے فکر اپنے خیالات اپنے اخلاق اور اعمال کی ہونی چاہیئے کہ وہ کہیں خراب نہ ہوں"۔

(تفہیم القرآن ج ۱ صفحہ ۵۱۱)

---

www.kitabmart.in

(۹)

اللہ کو جبر سے کام لینا منظور نہیں

گیارھواں پارہ ۔ سورۂ یونس آیت ۹۹

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا ط افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین ۵

" اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا ہے تو دنیا میں جتنے ہیں سب ہی ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کیجئے گا کہ وہ مومن ہو جائیں! "

اس میں تخاطب رسولؐ کو بنایا گیا ہے مگر مقصود قیامت تک کے ہر مسلمان کا انتباہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خالق کا نظام حکمت جبر کا تقاضی ہے ہی نہیں، ورنہ اگر اللہ جبر کی طاقت سے کام لینا چاہتا تو کافر کا وجود ہی کہاں رہتا، پھر تمھیں دین کے معاملہ میں جبر کرنے کا کیا حق ہے۔ چنانچہ جناب شیخ الطائفہ نے لکھا ہے:۔

لا تنبغی ان یریدوا اکراھھم لان اللہ عزوجل یقدر علیہ ولا یرید ۵
(تبیان ج ۵ صفحہ ۱۵)

وہ انھیں مجبور کرنا نہیں چاہیئے اسلئے کہ اللہ مجبور کرنے پر قدرت رکھتا ہے، پھر بھی ایسا نہیں کرتا۔

www.kitabmart.in

بالکل یہی الفاظ علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں لکھے ہیں :-

اس سے ظاہر ہے کہ یہ اُنہی مسلمانوں کو انتباہ ہے جنھیں کثرت و طاقت ایسی حاصل ہو گئی ہو کہ وہ چاہیں تو جبر سے کام لیں مگر قرآن انھیں اس بارے میں طاقت سے کام لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسری جگہ یہ کہنے کے بعد کہ :-

ولو شاء اللہ لجعلھم اُمّۃ واحدۃ — اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک دین پر کر دیتا۔

آخر میں ارشاد ہوا ہے :-

ولتسألن عما کنتم تعملون — بے شک تم سے سوال ہوگا اس کا جو تم اعمال کرتے تھے۔ (چودھواں پارہ سورۂ نحل آیت ۹۳)

اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو کیا دین کی بنا پر جنگ و جدال کی کوئی وجہ رہتی ہے ؟

اس کو مولانا ابو الکلام آزاد نے پھیلا کر اس طرح بیان کیا ہے :-

" قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت و استعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی استعداد، ایک ہی طرح کی فکری و عملی کیفیت پر مجبور کر دیتا، مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول

www.kitabmart.in

دی جائے۔ وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے، پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے۔ اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشہ میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک فرد و جماعت کا ذوق یک طرح کا ہوا، دوسرے کا دوسری طرح کا۔ ایک کی سمجھ ایک طرف گئی، دوسر کی دوسری طرف، ایک نے ایک راہ پسند کی کہ یہ حق ہے، دوسرے نے اس سے انکار کیا کہ حق نہیں اور پھر اسی اختلاف فکر و عمل نے ہدایت و سعادت اور ضلالت و شقاوت کی وہ کش مکش پیدا کر دی جسے قرآن "آزمائش حیات" سے تعبیر کرتا ہے کہ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ وہ تمہیں کش مکش حیات کی آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ کھل جائے تم میں کون ہے جس کے اعمال سب سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں" کیونکہ اس کش مکش میں کامیاب وہی ہو گا جو اپنے عمل میں احسن و انفع ہو گا۔"

یہاں آیت ۹۹ میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے او غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہدی ہے۔ فرمایا فکر و استعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو اس کے اندر پیدا ہو گا جس میں فہم و قبول کی استعداد ہے، پھر اگر تم پر یہ بات شاق گذر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو

www.kitabmart.in

کہ نہیں، مجھیں ضرور مان ہی لینا چاہیے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ سورہ بقر کی آیت ۲۵۶ اس بارے میں قرآن کا مقرر کردہ قانون ہے کہ "لا اکراہ فی الدین"

اس عبارت تک، اگرچہ ادائے مطلب میں بعض تعبیرات اور نفس مطالب کے بیان کے ذیل میں بعض مضامین یا اُن کے بعض جزئیات مجھے اپنے نقطہ نظر کے لحاظ سے اختلافی محسوس ہوتے ہیں، لیکن جہاں تک مرکزی تصور ہے جس کے لحاظ سے میں نے اس آیت کو اپنے اس مقالہ میں درج کیا ہے، وہ بہرحال درست ہے اور ناقابل انکار حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:۔

"اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ا لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔ دراصل اس فقرے میں وہی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جو قرآن میں بکثرت مقامات پر ہمیں ملتا ہے کہ خطاب بظاہر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے مگر اصل میں لوگوں کو وہ بات سنانی مقصود ہوتی ہے جو نبی ص کو خطاب کرکے فرمائی جاتی ہے۔ یہاں پر جو کچھ کہنا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ لوگو! حجت اور دلیل سے ہدایت و ضلالت کا فرق کھول دینے اور راہ راست صاف دکھا دینے

www.kitabmart.in

جو حق تھا، وہ تو ہمارے نبیؐ نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ اب اگر تم خود راہ راست پر آنا نہیں چاہتے اور تمھارا سیدھی راہ پر آنا صرف اس پر موقوف ہے کہ کوئی تمھیں زبردستی راہ راست پر لائے تو تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ نبیؐ کے سپرد یہ کام نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا جبری ایمان اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اس کے لئے اُسے نبیؐ بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب چاہتا کر سکتا تھا۔"

(تفہیم القرآن ج ۲ صفحہ ۳۱۳-۳۱۴)

اس سے اتفاق رکھنے کے ساتھ کہ رسولؐ کی طرف تخاطب سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے، پھر بھی اسے جس رُخ سے پیش کیا گیا ہے، اُس کا کوئی حاصل نہیں ہے۔ یہ کہنا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ مقصود ہمیشہ کے واسطے مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اُنھیں دین کے معاملہ میں جبر سے کام لینا نہیں چاہیئے۔

اس ذیل میں علامہ محسن فیض نے آیت کی شان نزول جو اس حقیقت پر تیز روشنی ڈالتی ہے، جناب شیخ صادق محمد بن علی بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ کی کتاب عیون اخبار الرضاؑ سے درج کی ہے جو بلاشبہ اللہ کی اُن نعمتوں میں سے ہے جو اُس نے اپنے رسولؐ کی عترت طاہرہؑ کے ذریعے اُن اپنے بندوں پر ارزانی فرمائی ہیں جو کتاب کے ساتھ عترت کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور جس سے عام تفسیری مآثر محروم ہیں۔

وہ شان نزول اس طرح وارد ہوئی ہے:۔

عن الرضا انه سأل المامون عن هذه ان فقال حدثنی	(امام رضاؑ سے روایت ہے کہ مامون خلیفہ عباسی نے اس آیت کے متعلق سوال کیا

www.kitabmart.in

ابی من آبائه عن امیر المومنینؑ
قال ان المسلمین قالوا
لرسول الله صلعم لو اکرهت
من قدرت علیه من الناس
علی الاسلام لکثرة عدد
نا وقوینا علی عدونا
فقال رسول الله صلعم ما کنت
لالقی الله ببدعة لم یحدثؑ
الی فیه شیئا وما انا من
المتکلفین فانزل الله علیه
یا محمد ولو شاء ربک لآمن
من فی الارض کلهم جمیعا علی
سبیل الالجاء والاضطرار
فی الدنیا کما یومن عند المعاینة
ورؤیة الباس فی الآخرة ولو
فعلت ذالک بهم لم یستحقوا
منی ثوابا ولا مدحا ولکنی
ارید منهم ان یومنوا
مختارین غیر مضطرین لیستحقوا

حضرت نے فرمایا، مجھ سے بیان کیا میرے
والد بزرگوار نے روایت کی ہے اپنے آبائے
طاہرین کے ذریعہ سے جناب امیرؑ کی زبانی
آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں نے رسولِ خدا سے
عرض کیا کہ اچھا ہوتا اگر آپ جن پر بس ہو
اُن لوگوں کو زور و طاقت سے اسلام پر
مجبور کریں کہ ہماری تعداد زیادہ ہو اور
ہمیں دشمن کے مقابلے میں طاقت حاصل
ہو، حضرت پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہ میری
شان نہیں کہ بغیر حکم خدا کے کوئی نیا
کام کروں اور میں خواہ مخواہ کوئی ذمہ
داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا، اس پر
خداوند عالم نے یہ آیت اتاری جس کا
مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر! اگر اللہ چاہتا
تو جبر کے ساتھ اور زبردستی سبھی ایمان
لے آتے دنیا میں جیسے اُس وقت ایمان
لائیں گے جب آخرت کے مناظر کا مشاہدہ
کریں گے اور اگر میں ایسا اسی دنیا میں کرتے
تو اُنہیں میری طرف سے کسی ثواب کا
استحقاق نہ ہوتا اور نہ تعریف کا مگر میں
تو اُن سے اس کا طالب ہوں کہ وہ اپنے

www.kitabmart.in

منتہی الزلفیٰ والکرامۃ و
دوام الخلود فی جنۃ
الخلد افانت تکرہ الناس
حتی یکونوا مؤمنین ۹
(تفسیر صافی)

اختیار سے بغیر مجبوری کے ایمان لائیں
تاکہ میری طرف سے تقرب اعلاء و از
بہشت بریں میں دائمی زندگی کے مستح
ہیں تو کیا آپ انہیں مجبور کریں گ
یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں ۔

www.kitabmart.in

۱۰

انداز تبلیغ ودعوت اور صبر وبرداشت کی ضرورت

چودھواں پارہ۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۵ تا ۱۲۷

ادع الیٰ سبیل ربّك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالّتی ھی احسن ط انّ ربّك ھو اعلم بمن ضلّ عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین ٥ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصّابرین ٥ واصبر وما صبرك الّا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق ممّا یمکرون ٥

"اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکیمانہ انداز اور اچھے عنوان کے وعظ ونصیحت اور ان سے بحث کیجئے بہترسے بہتر طریقہ سے۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اس کی راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ان کو جو سیدھی راہ پر قائم و برقرار ہیں، اگر تم لوگ سزا دو تو ویسی ہی جیسی کہ تمہیں سزا دی گئی تھی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے

www.kitabmart.in

لئے بہتر ہے اور آپ صبر ہی کیجئے اور نہیں آپ کا صبر و تحمل مگر اللہ کی مدد سے اور اُن پر رنج نہ کیجئے اور دل تنگ نہ ہو جیئے اس سے جو وہ ترکیبیں کرتے رہتے ہیں۔"

اِن آیات میں شروع، وسط اور آخر کے انداز خطاب میں تبدیلی سے ایک عجیب شان نظر آتی ہے۔ پہلے واحد مذکر حاضر کے صیغوں کے ساتھ تخاطب حضرت رسولؐ سے ہے اور یہ ہدایت ہے کہ آپ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دیجئے علم و حکمت اور اچھے موعظہ و نصیحت کے ساتھ اور بحث کیجئے تو ایسے انداز میں جو بہتر سے بہتر ہو۔ اس میں نہ کسی جارحانہ عمل کا ذکر ہے، اور نہ ان کی ایذا رسانی پر بطور سزا کسی سختی کا تذکرہ ہے۔

موعظہ کے بصفت "حسنہ" ہونے کا معیار کیا ہے؟

جناب شیخ الطائفہ لکھتے ہیں :۔

فیہ الرفق والوقار و السکینۃ مع نصرۃ الحق بالحجۃ	اُس میں نرمی و مہربانی ہو، رکھ رکھاؤ ہو، جوش و خروش کے بجائے اطمینان و سکون ہو، مگر دلائل کی طاقت سے حق کی حمایت ہو۔

(تبیان ج ۶ صفحہ ۴۴۲)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں :۔

ای قتل المشرکین واصرفھم عما ھم علیہ بالرفق الجانب فی النصیحۃ لیکونوا اقرب الی الاجابۃ	رجاء لھم بالتی ھی احسن کے معنی یہ ہیں کہ مشرکوں کو اُن کے مسلک سے ہٹانے کی کوشش کیجئے تو تی مہربانی کے ساتھ بغیر جوش و خروش کے اور نرم مزاجی

www.kitabmart.in

(مجمع البیان) سکے ساتھ نصیحت کے ذریعہ سے تاکہ اُنکے لئے قبولِ حق کا زیادہ امکان ہو۔

اس ذیل میں یہ جملہ آیا ہے کہ" بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اُس کی راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہ خوب جانتا ہے اُنھیں جو سیدھی راہ پر قائم و برقرار ہیں " یہ بھی خوب عقائد یں تشدد اور جارحیت کے ختم کرنے کی تلقین ہے۔ علامہ فیض تحریر فرماتے ہیں :-

لیس علیك ان تھدیھم ولا ان تردھم من الضلالة وانما علیك البلاغ فمن کان فیه خیر کفاہ البرهان والوعظ ومن لاخیر فیه عجزت عنه فی جدید باعد

(تفسیر صافی)

آپ پر یہ فریضہ نہیں ہے کہ آپ اُنھیں منزل تک پہونچائیں اور نہ یہ کہ اُنھیں (زبردستی) گمراہی کی راہ سے ہٹائیں بلکہ آپکا فریضہ بس پہونچا دینا ہے تو جسکی فطرت میں بھلائی ہو اسکے لئے دلیل اور وعظ و نصیحت کافی ہے اور جسمیں بھلائی نہیں ہے اُسکو راہ راست پر لانا فوج و لشکر سے نہیں ہو سکتا اور اُسکو ہدایت کرنا ایسا ہے جیسے سرد لوہے کو پیٹا جائے۔

یہ تھا وہ حصہ کلام کا جس میں خطاب واحد مذکر حاضر کے صیغہ سے ہے اور اُس کے مخاطب رسولؐ ہیں ـــــ پھر اس کے بعد صیغے جمع مذکر حاضر کے ہیں۔ اِن میں مسلمانوں سے گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ پیغمبرؐ کی تو یہ شان ہی نہیں ہے آپ بدلا لیں یا سزا دینے کا ارادہ بھی کریں لیکن تم اگر گزشتہ تکلیفوں کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو اس کا خیال رکھنا کہ یہ بدلا اُس عمل سے بڑھنے نہ پائے جو انھوں نے تمھارے ساتھ کیا ہے، بس اُسی حد تک تمھیں تشدد کا حق ہے، جتنا انھوں نے

www.kitabmart.in

ساتھ تشدد ہو چکا ہے اور اتنا بھی کرنا تمھارے لئے کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے اگر صبر و برداشت سے کام لو تو وہ بہتر ہے۔

علامہ طبرسی رح صبر کے معنی میں لکھتے ہیں کہ :-

ترکتم المکافاۃ والقصاص بدلہ لینے اور رجحان کے بدلے جان کے اپنے حق کو چھوڑ دو اور اس تلخ گھونٹ کو پی جاؤ۔

وجرعتم مرارتہ

یاد رہے کہ یہ مکافات بالمثل کی اجازت بتا رہی ہے کہ یہ اُن لوگوں کے بارے میں حکم نہیں ہے کہ جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں کیونکہ وہاں تو یہ اصول ہے کہ الاسلام یجب ما قبلہ (یعنی) جو کچھ بھی وہ شخص پہلے کر چکا ہو، اسلام لانے کے بعد وہ کالعدم ہو جاتا ہے اور اب اُس کی مکافات کا کبھی بھی سوال پیدا نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر و برداشت اور عفو و درگذر کی تعلیم ہی غیر قوم کے افراد سے متعلق ہے۔ جو اب تک اپنوں کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔

پھر یہ کہ یہ صبر و برداشت کی دعوت بے بسی کی بنا پر نہیں ہے یعنی یہ اُس وقت کی بات نہیں ہے جب مسلمان بے بسی کے عالم میں ہوں، بدلا لینے کا تصور ہی نہ کر سکتے ہوں۔ ورنہ یہ کیوں کہا جاتا کہ اگر بدلا لینا چاہو تو بس اتنا جتنا تمھارے ساتھ ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طاقتور اب اتنے ہیں کہ جتنا پہلے ہو چکا تھا، اُس سے زیادہ بھی کر سکتے ہیں۔ پھر بھی کہا جا رہا ہے کہ صبر و برداشت سے کام لو تو زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاجزی کی تعلیم نہیں ہے بلکہ جذبۂ انتقام سے کام نہ لے کر اپنے جی کو مارنے کی تعلیم ہے۔

www.kitabmart.in

بعد عنوان خطاب کے بدلنے ہی سے پتہ چل گیا تھا کہ بدلہ لینے کا تصوّر خود رسولؐ تو کریں ہی گے نہیں مگر اب صراحۃً پیغمبرؐ کو (بصیغۂ واحد حاضر) مخاطب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ آپ تو بہرحال صبر ہی سے کام لیجئے اور یہ صبر ایک ایسا کارنامہ ہوگا جو عام انسانی قوت برداشت اور اُن کے مظالم کی شدت کو دیکھتے ہوئے حدود امکان سے باہر ہے۔

یہ صبر آپ کا بس خداوند عالم ہی کی طرف کی خاص تائید یعنی خصوصی ضبط نفس کے اُس درجہ سے ہے جو آپ کو مبداء فیاض سے عطا ہوا ہے اور نہ صرف یہ کہ عملی طور پر اُن کے مظالم کا بدلہ نہ لیجئے بلکہ اُن کی اُن بدسلوکیوں پر جو اُنھوں نے کیں اور پھر اُن کا کچھ بدلہ آپ نے نہ لیا، اپنے دل میں کڑھیے بھی نہیں اور اس کی بھی فکر نہ کیجئے کہ اب وہ آپ کے خلاف کیا منصوبے بناتے ہیں یعنی وہ رنج سے روکنا ماضی سے متعلق ہے اور یہ دلتنگی کو منع کرنا حال اور مستقبل کی اُن کی ترکیبوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور اسی کے بعد یہ آیت ہے جو مقام تنزیل میں بھی اس سے متصل ہو تو بعید نہیں ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
یقیناً اللہ اُنکے ساتھ ہے جو غلط کاموں سے بچتے رہیں
وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْن
اور جو حسن عمل کو قائم رکھیں

یہ گذشتہ آیات کے مضمون کے ساتھ ایک عام اصول اور کلیہ کے طور پر بالکل چسپاں ہے۔

بعونِ اللہ سبحانہ جس تجزیہ و تحلیل شئی کے ساتھ

www.kitabmart.in

مذکورہ بالا آیات کی تشریح کی ہے، اس کی مثال تو متقدمین اور متاخرین کے یہاں ابھی تک کہیں نظر سے نہیں گزری مگر بعض اجمالاً آیت پر کافی شرح و بسط کے ساتھ ہمارے دور قریب کے دوسرے اہل قلم نے بھی تبصرہ کیا ہے چنانچہ مولانا ابو الکلام تحریر کرتے ہیں۔

"احسن طریقے سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو اپنی بات کی پچ نہو، مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو۔ اگر وہ چپ ہوگیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا اسلوب، ایسا طریق خطاب، ایسا لب و لہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار کئے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ پہونچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں سے ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوتِ حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہئے نہ یہ کہ صدمہ پہونچانا، ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا۔" (ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴)

پھر تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"اس کے بعد فرمایا: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین

"اگر مخالف ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی و زیادتی پر اُتر آیا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ تم بھی آپے سے باہر ہو جاؤ۔ ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ہوگا۔ ایک بُرائی کے

www.kitabmart.in

۵۱

جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ہو جائے۔ بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو جھیل جاؤ، پروا نہ کرو، بخش دو۔ اسی میں تمہاری اصل جیت ہے لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاہتے ہو تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کر لو۔ اس سے آگے نہ بڑھو، ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ہوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

غور کرو! قرآن کا محض ایک لفظ یا ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغۂ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا "ادع الی سبیل ربک"

پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا "اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو" مگر نہیں ایسا نہیں فرمایا بلکہ کہا: وان عاقبتم "اگر ایسا ہو کہ مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے۔ محض اجازت ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصل مقام ہے یعنی جھیل جانا اور بخش دینا تو پھر اسے بدلے کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن اجازت کو بمثل

www.kitabmart.in

حد اعو قیتم سے مقید کر دیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ کلیتہ بند ہو جائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں! عزیمیت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو، اتنی ہی تم بھی کر لو، اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے" (ترجمان القرآن ج ۲ صفحہ ۲۴۶-۲۴۷)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ان آیات کے ذیل میں پہلے حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

"عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں :- ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

(دوسرا حاشیہ) یعنی اس کی نوعیت محض مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصد حریف مقابل کو چپ کر دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو، اعلیٰ درجہ

www.kitabmart.in

کا شریفانہ اخلاق ہو، معقول اور دل لگتے دلائل ہوں، مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پیچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دُور نہ نکل جائے۔

(تیسرا حاشیہ) یعنی خدا سے ڈر کر ہر قسم کے بُرے طریقوں سے پرہیز کرتے ہیں اور ہمیشہ نیک رویہ پر قائم رہتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ خواہ کتنی ہی بُرائی کریں، وہ ان کا جواب بُرائی سے نہیں بلکہ بھلائی ہی سے دیے جاتے ہیں۔"

(تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ - ۵۸۲)

www.kitabmart.in

(۱۱)

آپ کا فیض تمام عالمین کیلئے ہے

ستر ھواں پارہ سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

"اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کے لئے۔"

یہ صدا ہے اُس کی جو ذات رب العالمین ہے اور وہ اپنے پیغمبر کے فیض کو بھی اتنا ہی وسیع بتا رہا ہے۔ جتنی اس کی ربوبیت وسیع ہے تو جو خدا ربّ العالمین ہو، وہ اپنے بندوں کے لئے جو رسول رحمۃٌ للعالمین ہو، وہ اپنی اُمّت کے لئے کب اسے پسند کر سکتا ہے کہ وہ تنگ نظری سے کام لیں اور خلق خدا کی عام بھلائی کے مقصد کو نظر انداز کریں۔

علاّمہ طبرسی نے لکھا ہے :۔

قال ابن عبّاس : رحمۃ للبرّ والفاجر والمؤمن والکافر	ابن عباس نے کہا کہ رحمت نیکوکار، بدکار، مومن اور کافر سب کے لئے،

(مجمع البیان)

بعض مفسرین نے رحمۃ کو "مفعول لہ" کے قبیل سے قرار دیا ہے

www.kitabmart.in

جیسا کہ لکھا ہے :-

ای للرّحمۃ علی العالمین — یعنی تمام جہانوں پر رحمت کے لئے۔

(تفسیر جلالین مطبوعہ اصح المطابع ص ۲۷۵)

مولانا ابو الکلام کا بھی رجحان یہی معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ انھوں نے ترجمہ کیا ہے :-

"ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو"

(ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۶۱)

اس صورت میں بھی نتیجہ یہی ہوگا کہ آپ کا مقصد بعثت تمام خلق کو فیض رسانی ہے۔

جناب شیخ الطائفہ لکھتے ہیں :-

وفی الآیۃ دلالۃ علی بطلان قول المجبرۃ انہ لیس للہ علی الکافرین نعمۃ لانہ تعالیٰ بین ان ارسال اللہ رسولہ نعمۃ علی العالمین وعلی کل من ارسل الیہم	اور اس آیت میں مسلک جبر والوں کے اس قول کے باطل ہونے کا ثبوت ہے کہ اللہ کی نعمت کافروں پر کوئی نہیں ہے، (یہ باطل ثابت ہوتا ہے) اس لئے کہ خداوند عالم نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ کا اپنے پیغمبر کو بھیجنا تمام جہانوں پر نعمت ہے اور ہر اس شخص پر جس کی طرف وہ بھیجے گئے ہیں

(تبیان ج ۷ ص ۲۸۵)

علامہ طبرسی نے یہ پورا مضمون انہی لفظوں میں اپنا لیا ہے۔

مولوی محمد سعد اللہ قندھاری کو رحمت کے معقول نہ ہونے سے اختلاف ہے۔ انھوں نے پہلے تو اس رحمت کی ہمہ گیری کی تشریح بہت اچھے

www.kitabmart.in

انداز میں کی ہے اور تعبیر رحمة کے مفہوم میں جو احتمالات ہیں انھیں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

الانس والجن ای برا و
فاجرا مؤمنا وکافرا فرفع
بك بخو الخسف والمسخ
من الکفار واخر عنهم
عذاب الاستیصال
بسببك او انه صلی الله
علیه کان رحمة عامة
من حیث انه جاء
لیسوا بهم ان اتبعوه
ومن لم یتبعه فهوا
مقصرا او المراد بالرحمة
الرحیم وهو صلی الله
علیه وسلم کان رحیما
بالکافرین ایضا
الا تری انهم لما شجوا و
کسروا رباعیته حتی خر
مغشیا علیه قال افاقته
اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون۔

انسان اور جنات یعنی خواہ نیکوکار ہوں یا
بدکار اور مومن ہوں یا کافر آپ کے سبب
سے زمین میں دھنسنے اور مسخ ہو جانے کی طرح
کے عذاب کافروں سے برطرف ہو گئے اور وہ عذاب
جو پوری قوم کا خاتمہ کر دے انھیں دور ہٹا دیا گیا
یا حضرت ہمہ گیر طور پر رحمت تھے اس حیثیت سے
کہ آپ سب کی خوش نصیبی سے ہم کنار ہونے
کے لئے تشریف لائے تھے اگر وہ آپکی پیروی کریں
اور جو آپ کی پیروی نہ کرے تو تقصیر خود اس کی
ہے یا رحمت سے مراد رحیم ہے اور حضرت کافروں
پر بھی رحم کرنے والے تھے، کیا تم
نہیں دیکھتے کہ جب انھیں زخمی کر دیا
اور دندان مبارک شکستہ کر دیے یہاں
تک کہ آپ غش کھا کر گر پڑے تو غش
سے افاقہ کے بعد کہا خداوندا میری قوم
کی ہدایت فرما کہ یہ علم نہیں رکھتے۔

www.kitabmart.in

(۱۲)

عبادت گاہوں کا احترام

سترھواں پارہ ۔ سورۂ حج آیت ۴۰ ۔

ولولا دفع اللّٰہ النّاس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا ۝

"اگر اللہ کی طرف سے یہ حکم نہ ہوتا کہ بعض بعض کا دفاع کریں تو گرا دیے جاتے راہبوں کے ٹھکانے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت کدے اور مسجدیں جن میں اللہ کے نام کا بہت ورد ہوتا ہے"!

فلسفۂ دفاع صرف مسلمانوں کو سمجھاتا ہو تو فقط مسجدوں کا نام لیا جائے لیکن یہاں مسجدوں کا نام آخر میں لیا جاتا ہے اور اُس کے پہلے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا نام لیا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس طرح بین الاقوامی طور پر فلسفۂ دفاع سمجھایا جا رہا ہے اور ضمناً تمام مذاہب والا دیان کی عبادت گاہوں کے احترام کا تصور پیدا کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا منہدم کیا جانا ناروا بات ہے۔

www.kitabmart.in

معترین اس میں بلاتفریق فرقہ بین الاقوامی پہلو کو نمایاں کرنے پر مجبور ہیں چنانچہ لکھا ہے :۔

صوامع للرہبان وبیع کنائس النصاریٰ وصلوات کنائس الیہود بالعبرانیۃ ومساجد للمسلمین یذکر فیھا ای المواضع المذکورۃ اسم اللہ کثیرا و تنقطع العبادات بخرابہا	صومعہ راہبوں کے ہوتے ہیں اور بیع عیسائیوں کے گرجے ہیں اور صلوات عبرانی زبان میں یہودیوں کی عبادتگاہوں کو کہتے ہیں اور مسجدوں کا مسلمانوں سے تعلق ہے ان میں یعنی اور تمام مقامات پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور انکے برباد ہونے سے یہ ذکر ختم ہوتا ہے۔

(جلالین مصوعہ اصح المطابع ص۲۸۳)

بالکل یہی عبارت تقریباً تفسیر صافی کی ہے :۔

صوامع الرہبانیۃ وبیع النصاریٰ وصلوات کنائس الیہود ومساجد المسلمین

اس ذیل میں جو طریقے دوسروں کی عبادت کے ہیں، اُن سب کو قرآن نے " ذکرِ الٰہی " کا مقدس نام بھی دیا ہے۔

جناب شیخ الطائفہ تحریر فرماتے ہیں :۔

یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا یعنی فی المساجد والمواضع المذکورۃ	اُن میں اللہ کے نام کا ذکر بہت ہوتا ہے یعنی مسجدوں میں اور مذکورہ بالا تمام مقامات پر۔

(تبیان ج ۷، ص۳۲۱)

www.kitabmart.in

(۱۴)

بُرائی کا دفعیہ بہتر سے بہتر اچھائی سے

اٹھارھواں پارہ۔ سورۂ مومنون ۹۷

ادفع بالّتی ھی احسن السّیئۃ

"برائی کو ختم کیجئے اپنے طرز عمل سے جو بہتر سے بہتر ہو"

علامہ محسن کاشانی لکھتے ہیں:۔

ھی الصّفح عنھا والاحسان فی مقابلتھا (تفسیر صافی)

یہ (بہتر سے بہتر طرز عمل) اُس بُرائی سے درگزر کرنا اور اُس کے مقابلہ میں بھلائی کرنا ہے۔

جناب شیخ الطائفہ تحریر فرماتے ہیں:۔

امر اللہ تعالیٰ نبیہ ان یدفع السّیئۃ اساءۃ الکفار الیہ بالّتی ھی احسن وھذا ومعنی ذالک اخصم

خدائے برتر نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ کافروں کے تکلیفیں پہونچانے کی بُرائی کا اُس کے مقابلہ میں بہت بہتر رویہ سے اور اسکے معنی یہ ہیں

www.kitabmart.in

اذا ذکر المنکر من القول الشرک ذکرت الحجۃ فی مقابلۃ وذکرت الموعظۃ التی تصرف عنہ الی ضدہ من الحق علی وجہ التلطف فی الدعاء الیہ والحث علیہ

(تبیان ج ۷ صفحہ ۲۹۲-۱۹۳)

کہ جب وہ قابل اعتراض مشرکانہ قسم کی بات زبان پر لائیں تو اُسکے مقابلہ میں صرف سنجیدہ دلیل پیش کی جائے اور ایسی ناصحانہ گفتگو کی جائے جو اس باطل سے ہٹا کر حق کی طرف لانے کی باعث ہو دعوت و تبلیغ اور تحریص و ترغیب روادارانہ انداز قائم رکھنے کے ساتھ

یہی مضمون زیادہ تکمیل و تذئیل کے ساتھ دوسری جگہ اس طرح ہے :-

چوبیسواں پارہ ۔ سورۂ حم سجدہ

لا یستوی الحسنۃ و لا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم و لا یلقٰھا الا الذین صبروا وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم ۝

"بھلائی اور برائی یکساں نہیں۔ تم برائی کا دفعیہ زیادہ سے زیادہ بھلائی سے کرو۔ ایک دم یہ نتیجہ ہوگا کہ تمھارے اور جس کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا کہ جیسے بڑا جگری دوست ہے اور یہ طریقہ کار سکھایا نہیں جاتا مگر اُن کو جو برداشت سے کام لیں اور اُسے نہیں سکھایا جاتا مگر اُسے جو بڑے نصیب والا ہو"

www.kitabmart.in

اس آیت میں عدم تشدد والے مقابلہ کا پورا فلسفہ موجود ہے مگر بس اس کے لئے فریق مقابل کے ضمیر میں ایک حد تک زندگی کا موجود ہونا ضروری ہے اور اسی وقت یہ طریقہ مقابلہ کا کامیاب ہو سکتا ہے۔
بعض مفسرین نے اس کے بعد کی آیت کو اس سے مرتبط کیا ہے:۔

واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم

"اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے لئے کوئی تحریک ہو تو اللہ سے پناہ مانگو مردود شیطان سے"

سابق سے تعلق کے ساتھ مطلب یہ ہوگا کہ اگر اس رویہ سے جو برائی کے مقابلہ میں بھلائی کا ہے نفسانی جوش ہٹانے کا مقاضی ہو تو سمجھو کہ یہ شیطان کی وسوسہ انگیزی ہے اور اللہ سے اس شیطان کے شر سے پناہ طلب کرو۔

علامہ طبرسی رحمہ اللہ نے اس دوسری آیت کی بڑی پُر اثر تشریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

خاطب النبی و قال ادفع بحقک باطلھم و بحلمک جھلھم و بعفوک اساءتھم فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم معناہ فانک اذا دفعت خصومک بلین و رفق و

رسولؐ سے خطاب فرما کر ارشاد کیا کہ اپنے حق کے ساتھ اُن کے باطل کا اور اپنے حلم و تحمل کے ساتھ اُن کی جہالت کا اور اپنے درگزر سے اُن کے برائی کرنے کا دفعیہ کیجئے تو ایک دم وہ جس میں اور آپ میں دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا کہ جیسے وہ جگری دوست ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ اپنے مخالفین کے مقابلہ

www.kitabmart.in

مداراة صاحب عدوك الذي
يعاديك في الدين بصبوره
وليك القريب فكانه وليك
في الدين رحيمك في النسب۔
وما يلقها اي وما يلقى هذه
الحالة التي هي دفع السيئة
بالحسنة الا الذين صبروا
على كظم الغيظ واحتمال
المكروه
(مجمع البيان ج ۳)

میں نرمی، مہربانی اور دلجوئی سے کام
لیں گے تو ایک کا وہ دشمن جو آپ سے
دینی دشمنی رکھتا ہے، ایک قریبی دوست
کی صورت میں ہو جائے گا اس طرح جیسے
وہ آپکا دینی بھائی بھی ہے اور ایسی
رشتہ دار بھی۔ اور اسے نہیں لے گا یعنی
اس حالت کو کہ برائی کا دفعیہ بھلائی کے
ساتھ کیا جائے نہیں اختیار کریگا مگر
وہ جو صبر کریں غصہ کے ضبط کرنے اور
برائی کے برداشت کرنے پر۔

آخری فقرہ کی تفسیر میں مفسر کاشانی نے بھی کہا ہے:۔

وما يلقى هذه السجية
وهي مقابلة الاساءة
بالاحسان الا الذين
صبروا فانما تحبس
النفس عن الانتقام
(صافی)

اس خصلت کو نہیں اختیار کر سکتے
اور وہ برائی کا مقابلہ اچھائی کے
ساتھ سوا اُن کے جو صبر و تحمل کا جوہر
رکھتے ہوں کہ یہ روکتا ہے نفس کو بدلہ
لینے سے۔

www.kitabmart.in

(۱۴)

بندگانِ الٰہی کی شان

انیسواں پارہ۔ سورۂ فرقان ۶۳

وعباد الرّحمٰن الّذین یمشون علی الارض ھونا و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما

"اور رحمٰن (اللہ) کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ اُن سے (اپنے انداز میں) تخاطب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔"

یہ پہلی آیت ہے اُس سلسلۂ اوصاف کی جس کا محلِ ورود یہ ہے کہ رحمٰن کا تعارف کرایا جارہا ہے جس سے مشرکین عرب وحشت کرتے تھے۔ پہلے رحمٰن کا تعارف اس کی قدرت کے کرشموں کے ذریعہ کرایا گیا کہ وہی تو وہ ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے، وہی تو وہ ہے جس نے رات و دن کام کا نظام قائم کیا اور اب اُس کا تعارف اُس کے بندوں کا مثالی کردار دکھلا کر کیا جارہا ہے کہ دیکھو رحمٰن وہ ہے جس کے بندے اس شان کے ہوتے ہیں۔

پس یہی ہم سے اور تمام مسلمانوں سے اس دَور اور ہر دور میں اسلام

www.kitabmart.in

کا مطالبہ ہے کہ وہ ایسے مثالی کردار کے حامل ہوں کہ اُن کو دکھلا کر اُن کے معبودِ برحق کا تعارف کرایا جا سکے کہ دیکھو اُس خدائے واحد کے ماننے والے اس شان کے ہوتے ہیں اور انھیں دکھا کر اُن کے رہبرِ اعظم، رسولِ آخرالزماں ؐ کا تعارف کرایا جائے کہ دیکھو، خاتم الانبیاء کے ماننے والے ایسے ہوتے ہیں۔

یہ شان کیا ہے؟ کہ جب جاہل لوگ اُن سے (اپنے انداز میں) تخاطب کرتے ہیں۔ یہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہ تخاطب ایسا ہوتا ہے جو انسان کو ناگوار ہونا چاہیئے اور جس سے وہ جوش میں آ جائے اس لئے تفسیر جلالین میں ہے :-

"بما یسوءھم" اور تبیان میں ہے جسے حسبِ دستور بعینہ مجمع البیان میں درج کر دیا گیا ہے :- بما یکرھونہ او یثقل علیھم بہر صورت مطلب یہ ہے کہ تخاطب اُن جاہلوں کا ایسا ہوتا ہے جو انھیں بُرا معلوم ہو یا طبیعت پر گراں گزرے تو وہ کیا کرتے ہیں؟ قالوا سلاماً جس کا ہم نے ترجمہ کیا ہے :- "وہ سلامتی کی دعا دیتے ہیں" ظاہری مفہوم تو یہی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ :-

ای قولا یسلمون فیہ من الاثم (جلالین ص۳۰۱) ایسی بات جس سے وہ گناہ سے بچے رہیں

اس کے معنی یہ ہیں کہ "جواب ترکی بہ ترکی" دینے میں انھیں گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا جوش کے بجائے وہ ہوش سے کام لیتے ہیں، اور جواب میں مناسب حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

www.kitabmart.in

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تشریح اچھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"جاہل سے مراد ان پڑھ یا بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے اور کسی شریف آدمی سے بدتمیزی کا برتاؤ کرنے لگے۔ رحمان کے بندوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گالی کا جواب گالی سے اور بہتان کا جواب بہتان سے اور اس طرح کی بیہودگی کا جواب ویسی ہی بیہودگی سے نہیں دیتے، بلکہ جو ان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرتا ہے، وہ اُس کو سلام کہہ کے الگ ہو جاتے ہیں۔"

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۶۲)

بعض مفسرین کی یہ عجیب روش ہے کہ وہ ہر ایسی آیت کے تحت میں لکھ دیتے ہیں کہ یہ آیت قتال والی آیتوں سے منسوخ ہو گئی۔ جناب شیخ الطائفہ نے اس آیت کے ذیل میں ان لوگوں کے رجحان کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

لیس الامر علیٰ ذلک کان الامر بالقتال لا ینافی حسن المحاورة فی الخطاب وحسن العشرة (تبیان ج ۷، ص۵۰۵)

یہ حقیقت کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ (کچھ حالات میں) جنگ کا حکم آنا بات چیت کے اچھے انداز اور میل جول کے اچھے طرز کے خلاف نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

۱۵

حسنِ انجام کا خیر سگالی عام پر انحصار

بیسواں پارہ۔ قصص ۸۳

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للّذین لا یریدون علوًّا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتّقین ٥

"وہ آخرت کا گھر، اُسے ہم قرار دیتے ہیں اُن کے لئے جو زمین میں دوسروں پر چھانے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ فساد کی اور انجام کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے۔"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

"یعنی جو خدا کی زمین میں اپنی بڑائی قائم کرنے کے خواہاں نہیں ہیں۔ وہ سرکش، جبار اور متکبرین کر رہتے بلکہ بندے بن کر رہتے ہیں اور خدا کے بندوں کو اپنا بندہ بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔"

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۵)

www.kitabmart.in

علامہ طبرسیؒ نے اس کے تحت میں روایت درج کی ہے کہ حضرت علیؑ اپنے دورِ حکومت میں تن تنہا کوچہ و بازار میں پھرتے تھے۔ کوئی راستہ بھولا ہوتا تو اُسے راستہ بتاتے، کوئی کمزور مدد کا محتاج ہوتا تو اُسے بڑھ کر سہارا دیتے اور بازاروں میں بنیوں اور دوسرے بیوپاریوں کے پاس جا جاکر قرآن کھول کر یہ آیت دکھلاتے تھے اور فرماتے تھے خاص طور پر اس آیت کا روئے خطاب اُن افراد کی طرف ہے جن سے خلقِ خدا کی کچھ ضرورت وابستہ ہوگئی ہو یا انھیں کسی طرح کا اقتدار حاصل ہوگیا ہو۔ (مجمع البیان)

علوّاً فی الارض کے معنی علامہ کاشانی نے لکھے ہیں ا۔ غلبتہ و قہراً، اس کے بعد مذکورہ بالا آیت مجمع البیان سے نقل کی ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت کو پڑھ کر معصوم پر گریہ طاری ہوا اور آپ نے فرمایا:-

فاز واللہ الا ھوا راستہ رہی من ھم ؟ ھم الذین لا یؤذون الذّر لا۔ (تفسیر صافی)

" خدا کی قسم کامیاب و کامران نیکوکار ہیں، جانتے ہو وہ کون ہیں؟ وہ وہ ہیں جو چیونٹی تک کو اذیت نہیں پہونچاتے "

www.kitabmart.in

۱۶

ذات اور برادری کے لحاظ سے اونچ نیچ کا خاتمہ

اور

فضیلت و بزرگی کا کردار پر انحصار

چھبیسواں پارہ۔ سورۂ حجرات آیت ۱۳

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ

"اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں جو قرار دیا ہے، وہ اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے یہاں وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔ یقیناً اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا خبر رکھنے والا۔"

خطاب میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بجائے یٰۤاَیُّهَا النَّاس

www.kitabmart.in

کہنا خود اس کا ثبوت ہے کہ وہ بین الاقوامی نوعیت کا فرمان ہے اور اس میں بلا تفریق فرقہ انسانی ہمہ گیر برادری کا تصور پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ لکھتے ہیں:۔

یٰاَیُّھَا النَّاس خطاب للخلق کافۃ من ولد آدم	"اے انسانو" خطاب ہے آدم کی تمام اولاد سے۔

تبیان طبع ایران قدیم ج ۲ ص ۴۵۹

اس آیت کے ذیل میں محسن فیض رح نے من لا یحضر کی یہ روایت نقل کی ہے جو امام جعفر صادق ؑ کے مسندات میں داخل ہے یعنی اپنے آبائے طاہرین ؑ کے سلسلہ سے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت ؐ نے فرمایا:۔

اتقی الناس من قال الحق فیما لہ او علیہ (صافی)	تمام لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار وہ ہے جو سچی بات کہے خواہ اس کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ہو۔

ہمارے یہاں ہم عصر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اتنی کافی و وافی تشریح کی ہے جیسی اُن کی پوری تفسیر میں کہیں کہیں ملتی، اس لئے اُن کی اس قلمی کاوش کے اعتراف کے طور پر اُن کا یہ پورا تبصرہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اس آیت میں پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے اُس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے یعنی نسل، رنگ، زبان،

www.kitabmart.in

وطن اور قومیت کا تعصّب قدیم ترین زمانہ سے آجتک ہر دور میں انسان وانسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں، کہیں ان کی بنا ایک خاندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے اور کہیں ایک جغرافی خطہ میں یا ایک خاص رنگ والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہو جانا۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے، وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے جنھیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو، اُن کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم وستم کی بد ترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کیلئے فلسفے گڑھے گئے ہیں۔ مذہب ایجاد کئے گئے ہیں۔ قوانین بنائے گئے ہیں۔ اخلاقی اصول وضع کئے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے۔ یہودیوں نے اس بنا پر بنی اسرائیل کو خدا کی چیدہ مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبہ کو اسرائیلیوں سے

www.kitabmart.in

فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں ورن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی، اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے اور شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے، ان کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، آج اس بیسویں صدی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیا افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلّط قائم کرکے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا، اس کی تہہ میں یہی تصوّر کار فرما رہا کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کے حدود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان، مال اور آبرو اُن پر مباح ہے اور اُنھیں حق پہنچتا ہے کہ ان کو لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑے تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لئے درندہ بنا کر رکھ دیا ہے، اس کی بدترین مثالیں زمانۂ قریب کی لڑائیوں میں دیکھی جا چکی ہیں اور آج دیکھی جا رہی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفۂ نسلیت، اور نارڈک نسل کی برتری کا تصوّر پہلی جنگ عظیم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے، انھیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی بآسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے، جس کی اصلاح کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب

www.kitabmart.in

کر کے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے۔ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمھاری پوری نوع وجود میں آئی ہے۔ اور آج تمھاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں، وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلۂ تخلیق میں کسی جگہ اُس تفرقہ اور اونچ نیچ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعم باطل میں تم مبتلا ہو۔

دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمھارا قوموں اور نسلوں میں تقسیم ہونا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ، زبانیں اور طرز بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہی ہو جاتے تھے۔ اور ایک خطہ کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعید تر ہی ہونا تھا مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کئے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتلائے۔ ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں۔ ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جتائے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح حاصل ہو۔ خالق نے

www.kitabmart.in

جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا، وہ صرف یہ تھی کہ اُن کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی ہے۔ اسی طریقہ سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے مگر یہ شیطانی جہالت تھی کہ جس چیز کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارف کا ذریعہ بنایا تھا، اُسے تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنا لیا گیا اور پھر نوبت ظلم و عدوان تک پہونچا دی گئی۔

تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔

پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں کیونکہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔ ان کا مادۂ پیدائش اور طریق پیدائش ایک ہی ہے اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں باپ تک پہونچتا ہے، علاوہ بریں کسی شخص کا کسی خاص ملک، قوم یا برادری میں پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس میں اُس کے اپنے ارادہ و انتخاب اور اس کی اپنی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہو۔ اصل چیز جس کی بنا پر ایک شخص کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے، اور جس کا حال اس کے برعکس ہو، وہ بہر حال

www.kitabmart.in

ایک کم تر درجہ کا انسان ہے۔ چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہو یا مغرب میں۔"

(تفہیم القرآن ج ۵ صفحہ ۹۵ تا ۹۷)

---

www.kitabmart.in

۱۷

بلا تفریق فرقہ حسن سلوک اور انصاف پروری

اٹھائیسواں پارہ ۔ سورہ ممتحنہ آیت ۸

لا ینہٰکم اللہ عن الّذین لم یقاتلوکم فی
الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم
وتقسطوا الیھم ؕ انّ اللہ یحبّ المقسطین ۝

" اللہ تمھیں اُن لوگوں سے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمھیں گھروں سے نہیں نکالا، اس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن کے ساتھ نیکی کرو، اور اُن کے حق میں انصاف سے کام لو۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے "

جلالین وغیرہ مفسّرین جن کے ذہن پر ذوق جہاد مسلط رہتا ہے اس قسم کی آیات میں بلا وجہ یہ قید لگا دیتے ہیں کہ:۔

ھٰذا قبل الامر بالجھاد — یہ جہاد کا حکم نازل ہونے کے قبل کی آیت ہے۔

(تفسیر جلالین مطبوعہ اصح المطابع ص۴۵۷)

www.kitabmart.in

حالانکہ مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ وہ سلسلۂ جہاد شروع ہونے کے بعد کی آیت ہے کیونکہ اس کے پہلے قتال یعنی جنگ کا سوال ہی کیا تھا جو کہا جاتا کہ تمھیں اُن لوگوں سے حسنِ سلوک میں کوئی مضائقہ نہیں جنھوں نے تم سے جنگ نہیں کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ جنگ کا راستہ کھلنے کے بعد کی آیت ہے تو آخر یہ لوگ بلا وجہ قرآن مجید کے بلند تعلیمات کو جو بلا تفریق مذہب و ملت حسنِ سلوک کے منادی ہیں، اپنی تنگ نظری کی بھینٹ کیوں چڑھاتے ہیں؟

شیخ الطائفہ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:۔

الذی علیہ الاجماع والمفسرون ان بر الرجل الی من شاء من اہل دار الحرب قرابتہ کان او غیر قرابتہ لیس بمحرم (تبیان)

ہمارے علماء کا اتفاق ہے اور تمام مفسرین یہی کہتے ہیں کہ کفار حربی (جن سے کوئی معاہدہ بھی نہیں ہے) سے بھی حسن سلوک کرنا، خواہ عزیز ہوں یا غیر، ناجائز نہیں ہے۔

طبع قدیم ایران ج ۲ ص ۵۷۲

یہی الفاظ بعینہٖ علّامہ طبرسی کے ہیں۔ بس انھوں نے الذی علیہ الاجماع کے بعد: والمفسرون کی لفظ نہیں لکھی ہے، باقی سب لفظیں وہی ہیں۔

علی نقی النقوی

۲۶ شعبان ۱۳۹۶ھ

(علی گڑھ)

المفسرون

المفسرون

المفسرون